ISSN: 2321-8339
اکتوبر۔دسمبر ۲۰۱۸ء
ادارہ تحقیق وتصنیفِ اسلامی کا ترجمان
سہ ماہی

تحقیقاتِ اسلامی

علی گڑھ

فرد اور جماعت کا تزکیہ ضروری ہے
سید جلال الدین عمری

اسٹیفن ہاکنگ کے نظریات کا تنقیدی جائزہ
پروفیسر محمد رفعت

اسلام اور ماحولیات کا تحفظ (۲)
مولانا ولی اللہ مجید قاسمی

عورت سے متعلق بعض احادیث کا مطالعہ
محترمہ سمیعہ نازش/مولانا محمد شعیب ندوی

تجارتی اشیاء کی پبلسٹی۔اسلام کا نقطہ نظر
ڈاکٹر کمال اشرف قاسمی

حضرت شقیق بلخیؒ اور ان کی تعلیمات
ڈاکٹر محمد مشتاق تجاروی

تعارف وتبصرہ

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی کی

اہم مطبوعات

معرکۂ اسلام وجاہلیت	مولانا صدرالدین اصلاحی	110.00
اسلام۔ ایک نجات دہندہ تحریک	مولانا سلطان احمد اصلاحی	90.00
عصر حاضر کا سماجی انتشار اور اسلام کی رہ نمائی	مولانا سلطان احمد اصلاحی	125.00
عصر حاضر کی نفسیاتی الجھنیں اور ان کا اسلامی حل	مولانا سلطان احمد اصلاحی	80.00
اکیسویں صدی کے سماجی مسائل اور اسلام	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	140.00
قرآن، اہل کتاب اور مسلمان	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	70.00
گھریلو تشدد اور اسلام	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	30.00
حقائق ،اسلام۔ بعض اعتراضات کا جائزہ	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	56.00
حضرت ابراہیم۔ امامِ انسانیت	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	85.00
ہم جنسیت کا فتنہ	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	28.00
احیائے اسلام: مفہوم۔ مسایل، تقاضے	مولانا محمد جرجیس کریمی	85.00
جرائم اور اسلام	مولانا محمد جرجیس کریمی	85.00
قرآن مجید اور مستشرقین	مولانا محمد جرجیس کریمی	72.00
اتحادِ امت کا مسئلہ: چند اہم گوشے	مولانا محمد جرجیس کریمی	34.00
اسلام کی امتیازی خصوصیات	مولانا محمد جرجیس کریمی	100.00
سیرتِ نبوی پر اعتراضات کا جائزہ	ڈاکٹر محمد شمیم اختر قاسمی	130.00
ملت اسلامیہ کے اختلافات	مولانا ضمیر الحسن فلاحی	65.00
قیامِ امن اور اسلام	مولانا کمال اختر قاسمی	100.00

ملنے کے پتے:

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی
نبی نگر، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳، علی گڑھ۔ ۲

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز
D-307، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی۔ ۲۵

ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی

تحقیقاتِ اسلامی

علی گڑھ

اکتوبر ——————— دسمبر ۲۰۱۸ء

مدیر

سیّد جلال الدین عمری

معاون مدیر

محمد رضی الاسلام ندوی

نبی نگر (جمال پور)، پوسٹ بکس نمبر ۹۳، علی گڑھ ــ ۲۰۲۰۰۲

ISSN: 2321-8339

سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی علی گڑھ

جلد: ۳۷ شمارہ: ۴

محرم ——— ربیع الاول ۱۴۴۰ھ

اکتوبر ——— دسمبر ۲۰۱۸ء

- مجلہ کے تمام شمارے www.tahqeeqat.net پر لوڈ کردیے گئے ہیں۔
- مقالہ نگار حضرات اپنے مقالات صرف tahqeeqat@gmail.com پر ارسال کریں۔
- انتظامی امور سے متعلق رابطہ کے ذرائع:

موبائل: 8384881597،09897746586

ای میل: idaratahqeeq2016@gmail.com

زرِ تعاون

اندرونِ ملک

فی شمارہ	۵۰روپے
سالانہ	۲۰۰روپے
پانچ سال کے لیے	۸۰۰روپے
سالانہ (لائبریریاں وادارے)	۳۰۰روپے

برائے پاکستان

سالانہ (انفرادی)	۲۵/امریکی ڈالر
سالانہ (ادارے)	۳۰/امریکی ڈالر

برائے دیگر ممالک

سالانہ (انفرادی)	۳۰/امریکی ڈالر
سالانہ (ادارے)	۳۵/امریکی ڈالر

طابع وناشر سید جلال الدین عمری نے بھارت آفسیٹ دہلی –۶ سے چھپوا کر

ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی، نبی نگر (جمال پور)، علی گڑھ سے شائع کیا

فہرست مضامین

حرف آغاز

فرد اور جماعت کا تزکیہ ضروری ہے | سید جلال الدین عمری | ۵

تحقیق وتنقید

اسٹیفن ہاکنگ کے نظریات کا تنقیدی جائزہ | پروفیسر محمد رفعت | ۱۳

اسلام اور ماحولیات کا تحفظ (۲) | مولانا ولی اللہ مجید قاسمی | ۳۹

بحث ونظر

عورت سے متعلق بعض احادیث کا مطالعہ | محترمہ سمیعہ نازش | ۵۹

مترجم: مولانا محمد شعیب ندوی

تجارتی اشیاء کی پبلسٹی۔ اسلام کا نقطۂ نظر | ڈاکٹر کمال اشرف قاسمی | ۸۳

سیر وسوانح

حضرت شقیق بلخیؒ اور ان کی تعلیمات | ڈاکٹر محمد مشتاق تجاروی | ۹۱

تعارف وتبصرہ

اوراقِ سیرت | پروفیسر مسعود الحسن | ۱۰۹

خبر نامہ ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی (۶۹) | ادارہ | ۱۱۵

فہرست مضامین ومضمون نگاران تحقیقات اسلامی، ۲۰۱۸ء | ۱۱۷

مضامین کا انگریزی خلاصہ | ۱۲۱ــ۱۲۸

اس شمارے کے لکھنے والے

۱۔ پروفیسر محمد رفعت

پروفیسر ڈپارٹمنٹ آف اپلائڈ سائنز، فیکلٹی آف انجینیر نگ اینڈ ٹکنالوجی، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی
mohd.rafat@gmail.com

۲۔ مولانا ولی اللہ مجید قاسمی

شیخ الحدیث، جامعۃ الفلاح، بلریا گنج اعظم گڑھ یوپی۔
wmqasmi@gmail.com

۳۔ محترمہ سمیعہ نازش

شعبۂ عربی وعلوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی اسلام آباد (پاکستان)

۴۔ مولانا محمد شعیب ندوی

اجمل خاں طبیہ کالج، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ
mdsbuaib@gmail.com

۵۔ ڈاکٹر کمال اشرف قاسمی

اسسٹنٹ پروفیسر وسابق صدر شعبۂ دینیات، عالیہ یونی ورسٹی کولکاتہ (مغربی بنگال)
kamalashraf98@yahoo.com

۶۔ ڈاکٹر محمد مشتاق تجاروی

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی
muftimushtak@gmail.com

۷۔ پروفیسر مسعود الحسن

سابق پروفیسر شعبۂ انگریزی و سابق ڈین فیکلٹی آف آرٹس، مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ

۸۔ سید جلال الدین عمری

صدر ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ

حرف آغاز

فرد اور جماعت کا تزکیہ ضروری ہے

سید جلال الدین عمری

مرکز جماعت اسلامی ہند میں کئی میقات سے تربیت گاہ قائم ہے۔ میقات رواں میں اس کے لیے ایک جامع مربوط پروگرام بنایا گیا، جس میں ایک ہفتہ کے لیے مختلف ریاستوں سے تعلق رکھنے والے منتخب ارکان کو بلایا جاتا ہے اور ان کی علمی وفکری اور روحانی تربیت کے مواقع فراہم کیے جاتے ہیں۔ چھٹی تربیت گاہ، مؤرخہ ۳ تا ۹ ستمبر ۲۰۱۸ء کو منعقد ہوئی تھی۔ اس کے افتتاحی اور اختتامی اجلاسوں میں مولانا سید جلال الدین عمری، امیر جماعت اسلامی ہند نے جو خطاب کیا تھا اسے نقل کرلیا گیا تھا۔ اب اسے موصوف کی نظر ثانی کے بعد افادۂ عام کے لیے شائع کیا جارہا ہے۔ (رضی الاسلام)

اپنی اصلاح آپ

تزکیہ اور تربیت دنیا کا سب سے دشوار کام ہے۔ اس سے مشکل کوئی کام نہیں ہے۔ یہ صرف علمی بحث ومباحثہ کا موضوع نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق ہماری عملی زندگی سے بہت گہرا ہے۔ تزکیہ یہ ہے کہ آدمی جس دین کو مانتا ہے، جس پر اپنے ایمان ویقین کا اظہار کرتا ہے، جس کی دوسروں کو دعوت دے رہا ہے اور جس کا پرچم لیے کھڑا ہے، اپنی زندگی سے اس کا ثبوت دے۔

سوچیے کہ یہ کتنا بڑا کام ہے۔ آدمی آسانی سے کسی بھی دوسرے فرد کو خطاب کرسکتا ہے، کسی جماعت پر بھی تنقیدی نظر ڈال سکتا ہے، اس کی کم زوریاں بیان کرسکتا ہے، اس کے اندر کوئی خوبی ہو تو اس کا اعتراف کرسکتا ہے۔ کسی فرد کی خامیاں بیان کرنا یا کسی جماعت یا گروہ کو ہدفِ تنقید بنانا اور اس کی کم زوریوں کو طشت ازبام

کرنا نسبتاً آسان کام ہے، لیکن اپنے آپ کو خطاب کرنا سخت دشوار ہے۔ اس کے لیے بڑا حوصلہ اور بڑی ہمت چاہیے۔ اپنی اصلاح و تربیت میں خود ہماری ذات سب سے بڑی رکاوٹ بنتی ہے۔ آدمی نہ بدلنا چاہے تو ہزار بہانے کرتا ہے۔ کہا جاتا ہے ع

ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنا لیتی ہے تصویریں

ایک ان پڑھ اور جاہل شخص کے لیے اپنی کم زوریوں کے لیے بہانے تلاش کرنا دشوار ہوتا ہے۔ بسا اوقات وہ آسانی سے اپنی کم زوری تسلیم بھی کرلیتا ہے، لیکن پڑھے لکھے اور قابل و باصلاحیت فرد کے لیے اپنی کم زوریوں کی توجیہ کرنا آسان ہے۔ جس کی جتنی زیادہ صلاحیت ہوگی اس کے لیے توجیہ و تاویل اتنی ہی آسان ہوگی۔ وہ مسجد میں نماز کے لیے نہیں آرہا ہے، اس کا بھی عذر ہوگا، اس کے اندر دین سے انحراف اور شریعت سے ہٹی ہوئی چیزیں ہیں تو اس کی بھی اس کے پاس کوئی توجیہ ہوگی۔ واقعہ یہ ہے کہ رکاوٹ سب سے بڑی ہمارے اندر ہے۔ باہر کی رکاوٹیں ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان رکاوٹوں کو دور کرنے کی تدابیر کرنی چاہیے۔ لیکن اس کی کوئی تدبیر نہیں ہے کہ آدمی خود بدلنا نہ چاہے اور اس میں از خود تبدیلی آجائے۔ جو شخص بدلنا چاہے تو کوئی طاقت اس کے لیے زنجیر پا نہیں بن سکتی۔ تبدیلی کی رفتار کبھی سست اور کبھی تیز ہوسکتی ہے، لیکن تبدیلی ضرور آئے گی۔ ہمارے اندر تبدیلی نہیں آرہی ہے تو اس کے اسباب خود ہمارے اندر ہیں۔

قرآن مجید میں جگہ جگہ توجہ دلائی گئی ہے کہ دعوئ ایمان ہے تو عمل سے اس کا ثبوت ملنا چاہیے۔ ایک جگہ بے عملی پر تنبیہ کی گئی۔ کہا گیا: **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ، كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۔ (الصّف: ۲۔۳)**

آپ جانتے ہیں کہ یہ سورۂ صف کی آیات ہیں۔ ان میں اظہار دین کا ذکر ہے۔ کہا گیا کہ غلبۂ دین لازماً ہو کر رہے گا۔ کوئی اسے روک نہیں سکتا۔ بات کا آغاز یہاں سے ہو رہا ہے کہ ایسی باتیں کیوں کرتے ہو جن پر عمل نہیں کرتے۔ بے عملی خدا کے غضب کو دعوت دیتی ہے۔ تمھیں اپنے عمل سے اپنی صداقت کا ثبوت دینا چاہیے۔ غلبۂ دین کے لیے وہ افراد درکار ہیں جن کے قول و عمل میں ہم آہنگی ہو۔

ایک جگہ اہل کتاب سے خطاب ہے: ’’أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ وَأَنتُمْ تَتْلُونَ الْكِتٰبَ أَفَلاَ تَعْقِلُونَ۔ البقرہ: ۴۴۔ (کیا تم لوگوں کو برّ وتقویٰ کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو فراموش کیے بیٹھے ہو اور تم اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہو۔ کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے ہو؟) سوچو کہ دنیا کو تقویٰ وطہارت اور انسانی حقوق کا درس دے رہے ہو، نیکی کی راہ دکھا رہے ہو، لیکن خود تم اس گراں مایہ دولت سے تہی دامن ہو۔ اللہ کی کتاب پڑھتے اور پڑھاتے ہو اور زندگی اس کے اثرات سے خالی ہے۔ اس بے عملی کے ساتھ کبھی تم فلاح نہیں پا سکتے۔

بعض حلقوں میں تزکیہ کا بہت محدود تصور ہے۔ ان کے ہاں چند مخصوص پہلوؤں پر زور دیا جاتا ہے۔ فرائض ونوافل اور تہجد کا اہتمام ہوتا ہے اوراد و وظائف کی پابندی ہوتی ہے۔ کبھی وہ چھوٹنے نہیں پاتے اور لازماً پورے کیے جاتے ہیں۔ ان میں سے بہت سی باتیں صحیح ہیں اور احادیث سے ان کا ثبوت ملتا ہے۔ لیکن یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ گھر کی طرف توجہ نہیں ہے، بیوی بچوں کے حقوق ادا نہیں ہو رہے ہیں، ماں باپ، بھائی بہن اور رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے میں غفلت برتی جا رہی ہے۔ اسی طرح کاروبار میں احکام شریعت کی پابندی نہیں ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت، اس کی تبلیغ و اشاعت اور اس کے غلبہ وسربلندی کا تو کہیں ذکر ہی نہیں ہے۔ یہ ناقص تزکیہ وتربیت ہے۔ تزکیہ پوری زندگی کو بدلنے کا نام ہے۔ پاک صاف ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ زندگی کے کسی ایک پہلو میں تزکیہ ہو جائے، بلکہ ہر رخ سے اسے بہتر ہونا چاہیے۔ میں نے اپنی کتاب ’تجلیات قرآن‘ کے ایک مضمون میں یہ دیکھنے کی کوشش کی ہے کہ تزکیہ کا لفظ قرآن نے کس طرح اور کن مواقع پر استعمال کیا ہے؟ معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں عقیدہ، عبادت، اخلاق، معاشرت، معیشت اور سیاست، ہر پہلو سے اصلاح کے لیے اس کا استعمال ہوا ہے۔ اس کے بغیر تزکیہ کی تکمیل نہیں ہوتی۔

تزکیہ کے اس وسیع تصور کو اپنانے کا آپ دعویٰ کر رہے ہیں۔ آپ دنیا کو یہ بتا رہے ہیں کہ تزکیہ پوری زندگی کو احکام الٰہی کے مطابق بدلنے کا نام ہے۔ جو شخص یہ

جاننا ہے کہ پوری زندگی کی اصلاح ہونی چاہیے، اس کا عقیدہ درست ہونا چاہیے، اس کی عبادات ظاہری شکل اور معنوی روح کے ساتھ ادا ہونی چاہئیں، اس کے اخلاق احکام الٰہی کے تابع ہونے چاہیں، اس کی تہذیب ومعاشرت اور اس کی معیشت کو اسلامی اصول کا پابند ہونا چاہیے اور اس کی سیاست کا رخ بھی اسلامی ہونا چاہیے۔ اتنے وسیع تصور کے ساتھ جو شخص میدان عمل میں ہے وہ اپنی خامیوں کا عذر پیش نہیں کرسکتا۔ اس نے اپنے عذرات خود ہی ختم کردیے۔ سوچیے کہ اتنے بڑے دعوے کے بعد کیا آپ اپنی زندگی اس کے مطابق پاک صاف کرنے کی کوشش کررہے ہیں اور اسے اسلامی احکام کا پابند بنانے میں کام یاب ہیں؟ یہ بہت بڑا سوال ہے، جو ہم سب کے سامنے ہے۔

فرد کا ارتقاء

جماعت اسلامی کا نصب العین اقامتِ دین ہے۔ اس کے دستور میں وضاحت ہے کہ اس کے کوئی محدود معنیٰ نہیں ہیں، بلکہ اس کے وسیع تقاضے ہیں۔ اس میں فرد کا ارتقاء، معاشرے کی تعمیر اور ریاست کی تشکیل، یعنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے سب ہی پہلو شامل ہیں۔ اس میں سب سے پہلے فرد کے ارتقاء کا ذکر ہے۔

فرد کے ارتقاء پر آج کل بڑی بحثیں ہورہی ہیں۔ ارتقاء کے عمل میں فرد کے اندر ایسی استعداد پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ وہ اپنے چاروں طرف پھیلی ہوئی دنیا سے بھرپور فائدہ اٹھاسکے۔ وہ اپنی صلاحیتوں کو اس طرح کام میں لائے کہ جو وسایلِ حیات میسر ہیں ان کو سودمند طریقے سے اپنے کام میں لائے۔ اسی کی تدبیریں بتائی جاتی ہیں اور اس کے لیے اسے تیار کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ بہت محدود اور خالص مادی تصور ہے۔ یہ دینی تصور نہیں ہے۔ دین کا تصور یہ ہے کہ آدمی کا فکری اور عملی ارتقاء اس طرح ہو کہ وہ دنیا میں خدا پرستانہ زندگی گزارے اور آخرت میں سرخ رو اور کام یاب ہو۔ وہ دنیا سے بھی اپنا حصہ پائے اور اس کے بعد والی زندگی، جو دائمی اور ابدی ہے، اس کی آسائش وراحت سے بھی سرفراز ہو۔

یہ بات یاد رہے کہ فرد کا ارتقاء تزکیہ کا بنیادی پتھر ہے۔ جب تک فرد کا صحیح

معنیٰ میں ارتقاء نہیں ہوگا، ناممکن ہے کہ معاشرے میں تبدیلی آ جائے۔سیاست میں تبدیلی کا تو تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔آج کا بڑا مسئلہ یہی ہے کہ وہ افراد ہی نہیں ہیں جو معاشرے کو صحیح سمت دے سکیں۔فرد اعلیٰ سیرت و کردار کا حامل ہوگا تو اس کے گھر اور خاندان میں اخلاقی تبدیلی آئے گی اور یہی معاشرے کی تبدیلی کا ذریعہ ہوگی اور سیاست کو بھی صحیح رخ دیا جاسکے گا۔اسی وجہ سے قرآن مجید میں فرد کی اصلاح و تربیت پر خاص زور دیا گیا ہے اور صالح افراد پر مشتمل جماعت سے حکومت و اقتدار کا وعدہ کیا گیا ہے الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ أَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ ۔الحج:۴۱۔(یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ان کو ہم نے زمین میں اقتدار دیا تو نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے منع کریں گے۔)

یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اصحاب رسول ﷺ کی سیرت و کردار پر اس اعتماد اور یقین کا اظہار تھا کہ اقتدار ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کا ذریعہ ہوگا، وہ اقتدار پانے کے بعد اللہ کو فراموش نہیں کریں گے، بلکہ اسے ہر دم یاد رکھیں گے۔وہ بندوں کے حقوق پہچانیں گے اور زکوٰۃ دیں گے۔ان کے ذریعہ معروفات کا قیام عمل میں آئے گا اور منکرات کی بیخ کنی ہوگی۔یاد رکھیں کہ جب بھی اسلامی نظام قائم ہوگا اسی طرح کے باکردار افراد کے ذریعہ قائم ہوگا۔

انسان جس معاشرے میں آنکھ کھولتا اور پرورش پاتا ہے، تعلیم و تدریس، تہذیب و تمدن، معیشت اور سیاست، سب اس کے فکر و عمل کو خاص ڈھانچہ میں ڈھال دیتے ہیں۔وہ اس کی گرفت سے مشکل ہی سے آزاد ہو پاتا ہے، لیکن فرد ہی معاشرے کو تبدیل بھی کرتا ہے۔جب افراد تبدیلی کے لیے اٹھ کھڑے ہوں تو تبدیلی کی راہیں کھل جاتی ہیں اور ایک نیا معاشرہ وجود میں آجاتا ہے۔صالح اور باکردار افراد معاشرے کو بدی سے نیکی کی طرف لے جاسکتے ہیں۔

ایسے افراد جب بڑے پیمانے پر ہوں تو سیاست کا نقشہ بھی تبدیل

ہوسکتا ہے۔ اگر فرد ہی نہ بدلے تو معاشرے میں تبدیلی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ ہماری گفتگو بعض اوقات سیاست کی تبدیلی اور سیاسی انقلاب پر ہوتی ہے۔ یہ انقلاب کیسے آئے گا؟ اس طرف توجہ نہیں ہوتی۔ قرآن میں بار بار اس طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ ہر فرد اپنے آپ کو دیکھے۔ اس کے سامنے یہ بات رہے کہ :فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْ□راً يَرَهُ وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ□ شَرّاً يَرَهُ۔ الزلزال: ۷۔ ۸۔ (جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ بھی اس کے سامنے آجائے گی اور جس نے ذرہ برابر غلط کام کیا ہوگا تو وہ بھی اس کے سامنے آجائے گا۔) اس کیفیت کے ساتھ زندگی گزارنے کا نام تزکیہ ہے۔

سورۂ مریم کے آخر میں ہے:إِن كُلُّ مَن فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِيْ الرَّحْمَنِ عَبْداً لَقَدْ أَحْصٰهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدّاً وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَرْداً۔ مریم: ۹۳۔۹۵۔ (آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں وہ سب لازماً رحمن کے سامنے بندے بن کر حاضر ہوں گے۔ اللہ نے انہیں شمار کر رکھا ہے اور اچھی طرح ان کی گنتی کر رکھی ہے اور وہ سب قیامت کے روز اس کے سامنے تنہا حاضر ہوں گے۔)

ایک اور جگہ فرمایا: يَوْمَ هُم بَارِزُونَ لَا يَخْفَى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْ□ءٌ لِّمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔ المومن: ۱۶۔ (جس دن وہ بالکل سامنے ہوں گے۔ ان کی کوئی چیز اللہ سے پوشیدہ نہ ہوگی۔ آج اقتدار کس کا ہے؟ اس خدائے واحد کا جو بڑے قہر والا ہے۔) ہر شخص تنہا خدا کے سامنے آئے گا۔ ہم میں سے ہر شخص خدا کے روبرو ہوگا۔ کہیں روپوش ہونے کی کوئی جگہ نہ ہوگی۔ اس تصور کے ساتھ زندگی میں تبدیلی لانے کی ضرورت ہے۔ اور یہ تبدیلی فکری بھی ہوگی اور عملی بھی۔

انا اوّل المسلمین

اللہ کے رسول دنیا کو اللہ کی عبادت و اطاعت کی دعوت دیتے ہیں اور کہتے ہیں: 'أَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ'۔ (سب سے پہلے میں اس پر عمل کرنے والا ہوں۔) اس وجہ سے ان کے بدترین دشمن بھی ان پر بے عملی کا الزام لگانے کی جرأت نہیں کرتے

تھے۔ ہم بھی فریضۂ دعوت انجام دینا چاہتے ہیں۔ کیا ہم اس پوزیشن میں ہیں کہ کہہ سکیں کہ ہمارا ظاہر دیکھو، ہمارا باطن دیکھو، ہمارا کردار دیکھو، ہماری تگ و دو دیکھو، ہماری سعی و جہد دیکھو۔ ہم اس کے دین کے ترجمان ہیں۔ ہم اس کی ہدایات کے پابند ہیں۔ ہم دیدہ دانستہ اس کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔ کیا ہم یہ کہنے کے موقف میں ہیں؟ اگر نہیں ہیں تو یہ توقع کیسے کی جاسکتی ہے کہ دنیا ہماری بات سن لے گی اور تبدیلی کی راہ از خود کھل جائے گی؟

علمی ترقی

ہمارا فکری ارتقاء جیسے ہونا چاہیے، نہیں ہو رہا ہے۔ ہم موجودہ مغربی افکار کو چیلنج کرنا چاہتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ہم میں سے کتنے ہیں جنھوں نے مغربی افکار سے واقفیت حاصل کرنے کی کوشش کی۔ کیا واقعی ہم جدید افکار کو سمجھ رہے ہیں، یا بس ہمارا محض دعویٰ ہے کہ ہم جدید فکر کے لیے چیلنج ہیں؟ اس کے لیے ضروری ہے کہ جدید افکار کا اسلام کی روشنی میں گہرا مطالعہ ہو اور اس کا حسن و قبح واضح کیا جائے۔ اس طرف ہمارا رجحان نہیں ہے، یا ہے تو بہت کم زور ہے۔

تحریک اسلامی کے ابتدائی دور میں مذہب کوئی بڑی طاقت نہیں تھا۔ ہر طرف مغربی فکر کی حکم رانی تھی۔ فکر و عمل میں دنیا اس کے تابع تھی۔ کہیں کہیں مذہبی باتیں کی جاتی تھیں، یا ضمناً مذہب کا حوالہ دیا جاتا تھا، سماج یا ریاست پر اس کے اثرات محسوس نہیں ہوتے تھے۔ لیکن آج کے ہندوستان میں مذہب ایک طاقت بن کر ابھرا ہے۔ ایک طبقہ یہاں مذہبی کلچر کے نام پر اپنی بالادستی چاہتا ہے۔ اس کے لیے ناپسندیدہ حربے استعمال کر رہا ہے۔ اس کے ساتھ پوری دنیا میں مذہب اور اس کا کردار زیر بحث ہے۔ اس کا مقابلہ سیاسی سطح ہی سے نہیں، علمی سطح سے بھی کرنا ہوگا، لیکن اس کی طرف ہماری توجہ نہیں ہے۔ ضرورت ہے کہ ہم ہندوستان کے مذاہب ہی کو نہیں بلکہ عالمی مذاہب کو بھی سمجھیں۔ اگر اب تک ہم نے مذاہب کا مطالعہ نہیں کیا ہے تو اس کی صورت کیا ہوگی؟ تمام مذاہب پر کامل عبور مشکل ہے، اس لیے ہوسکتا ہے کہ ہم میں سے کوئی شخص ہندو مذہب پر تیاری کرے، کوئی عیسائیت پر، کوئی یہودیت پر، کوئی بدھ مت پر، کوئی جین مت پر۔ اس

طرح مختلف مذاہب کا وسیع مطالعہ رکھنے والے افراد تیار ہو سکتے ہیں۔ کوئی ضروری نہیں ہے کہ ہم میں سے ہر شخص کی تمام مذاہب پر گہری نظر ہو۔

ایسے افراد کا جماعت میں ہونا ضروری ہے جو جدید افکار اور مختلف مذاہب سے بھی بخوبی واقف ہوں اور اسلامی نقطۂ نظر سے ان پر گفتگو کرسکیں۔اس کے لیے آدمی اپنے ذوق کے مطابق عنوانات کا تعین اور اسی لحاظ سے تیاری کر سکتا ہے۔

اصلاح کا طریقہ

اجتماعی زندگی میں رفقاء کی اصلاح و تربیت کی ضرورت لازماً پیش آتی ہے۔ اگر کسی سے ذمہ دار کا خصوصی تعلق ہو تو اسے براہ راست ٹوک سکتا ہے۔ حسب ضرورت تنبیہ بھی کر سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔ حضرت معاذؓ آپؐ کی اولاد کی طرح تھے۔ وہ اپنے قبیلے کی امامت بھی کرتے تھے۔ انہوں نے عشاء کی نماز میں سورۂ بقرہ شروع کردی۔ ایک صاحب نے درمیان ہی سے نماز چھوڑ دی اور رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ہم کھیتی باڑی والے ہیں۔ دن بھر محنت کرتے ہیں۔ معاذؓ لمبی نماز پڑھانے لگے۔ میں اسے برداشت نہیں کرسکا اور نماز توڑ دی۔ اس پر رسول اللہ ﷺ حضرت معاذؓ پر سخت خفا ہوئے اور فرمایا: یا معاذ! أفتّان أنت۔ (معاذ! کیا تم فتنہ انگیز ہو؟ کیا لوگوں کو آزمائش میں ڈالو گے؟) مطلب یہ کہ تمہارے اس عمل سے لوگ کہیں نماز ہی نہ ترک کردیں۔ پھر سمجھایا کہ عشا کی نماز میں سورۂ والشّمس، والضحیٰ، واللیل، سبح اسم ربک الاعلی جیسی مختصر سورتیں پڑھا کرو۔ (بخاری و مسلم)

حضرت ابوذرؓ سے رسول اللہ ﷺ بہت محبت فرماتے تھے۔ انہوں نے اپنے غلام کو اس کی عجمی ماں کا طعنہ دیا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی تو آپ نے حضرت ابوذرؓ سے فرمایا: ''إنک إمر أفیک جاھلیة'' (تمہارے اندر جاہلیت کی خصلت موجود ہے۔) اس کے بعد حضرت ابوذرؓ اس کے ساتھ کھانے پینے اور لباس میں اس طرح کا سلوک کرنے لگے کہ دونوں میں فرق نہیں معلوم ہوتا تھا۔ (بخاری، کتاب الادب، باب ما ینھی من السباب واللعان۔)

رسول اکرم ﷺ اصلاح کے لیے بیش تر عمومی انداز اختیار فرماتے تھے کہ لوگ یوں کہہ رہے ہیں، یا یہ کررہے ہیں، یا جو عمل میں کر رہا ہوں اس سے اجتناب

کر رہے ہیں، یا ان کی طرف سے یہ باتیں سامنے آ رہی ہیں۔ اس سے جن لوگوں کی اصلاح مطلوب ہوتی، خود بہ خود ان کی اس طرف توجہ ہوتی۔ کسی کو یہ پتہ نہ چلتا کہ کس کے اندر یہ خامی یا کم زوری ہے۔ جن کا دامن اس سے پاک ہوتا وہ آئندہ کے لیے محتاط ہو جاتے۔

جب کسی مجلس میں اس طرح کا عمومی خطاب ہو تو آدمی کو غور سے سننا چاہیے کہ ہماری کسی غلطی کی نشان دہی تو نہیں کی جا رہی ہے؟ بالعموم اس طرح کے مواقع پر یہ خیال ہوتا ہے کہ مجھ سے اس کا خطاب نہیں ہے۔ اس طرح بہت سی اہم باتیں نظر انداز ہو جاتی ہیں۔

ضروری نہیں کہ جن خامیوں اور کم زوریوں کی نشان دہی کی جا رہی ہے وہ سب کے اندر ہوں۔ بعض میں ہوں گی اور بعض میں نہیں ہوں گی۔ اگر آدمی نصیحت کے طور پر سنے گا تو اس سے اس کو فائدہ پہنچے گا۔

ایمرجنسی کے فوراً بعد کا واقعہ ہے۔ ایک مجلس میں یہ خاک سار نفاق کے موضوع پر تقریر کر رہا تھا۔ اس میں ہمارے بزرگ محترم انعام الرحمن خان مرحوم امیر حلقہ مدھیہ پردیش بھی موجود تھے۔ تقریر ختم ہوئی تو کہا: مولانا! آپ نے بھرے مجمع میں مجھے 'منافق' کہا۔ مجھے تشویش ہوئی۔ سوچا: شاید گفتگو میں کوئی غیر محتاط بات زبان سے نکل گئی ہو۔ میں نے کہا: انعام صاحب! میں نے تو ایسی کوئی بات نہیں کہی۔ انھوں نے کہا: تم نے ٹوپی میرے سر پر رکھ دی کہ منافق ایسا ہوتا ہے۔ یہ اس نازک احساس کا نتیجہ تھا جو ہمارے بزرگ میں تھا۔ اسی سے اجتماعی زندگی میں اصلاح کی راہیں کھلتی ہیں۔

تزکیہ اور اصلاح کا تعلق ایمان اور عمل صالح سے بہت گہرا ہے۔ ایمان نام ہے صحیح عقیدے اور فکر کا۔ اس کا لازمی نتیجہ عمل صالح ہے۔ یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ اس سے انسان کو اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہوتی ہے اور وہ اس کے انعام و اکرام کا مستحق ہوتا ہے۔ جب کوئی جماعت ایمان اور عمل صالح کا ثبوت دیتی ہے تو قانون خداوندی کے مطابق دنیا کی زمامِ کار اس کے حوالہ کر دی جاتی ہے اور انسانوں کی راہ نمائی کا مقام اسے حاصل ہوتا ہے۔

☆☆☆

تہذیب وسیاست کی تعمیر میں اسلام کا کردار

(مقالات سمینار)

مرتبین: ڈاکٹر صفدر سلطان اصلاحی رمولانا محمد جرجیس کریمی

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ کی جانب سے منعقدہ سمینار مؤرخہ ۲۳۔ ۲۴ر فروری ۲۰۱۴ء کے مقالات کا مجموعہ، جس میں تحریک اسلامی ہند کے اکابر اور قائدین کے خطبات کے علاوہ ملک کے ممتاز مفکرین اور دانش وروں کے کل چھتیس (۳۶) مقالات شامل ہیں۔ ان مقالات میں تہذیب و سیاست کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے، جن میں مغربی اور اسلامی تہذیبوں کے اجزائے ترکیبی، ان کے درمیان موجود فرق و امتیازات، تہذیبوں کے تصادم کا موجودہ نظریہ، امت مسلمہ کی موجودہ تہذیبی و سیاسی صورت حال، قرآن مجید اور احادیث نبوی میں حکومت و سیاست کے تصورات، موجودہ طریقۂ انتخاب، پارلیمانی نظامِ حکومت، تکثیری معاشرے کے مسائل جیسے اہم مباحث اور معروف علمائے سلف اور جدید مفکرین کی وقیع کتب کے تجزیاتی مطالعے پیش کیے گئے ہیں۔
یہ ایک ایسی دستاویز ہے، جو قوم وملت کی علمی رہ نمائی اور موجودہ پیچیدہ حالات کے تقاضوں کے فہم و ادراک اور اس کی روشنی میں اپنے لائحۂ عمل کی تعیین میں ممدّ و معاون ثابت ہوگی۔

دیدہ زیب ٹائٹل، بہترین کاغذ اور معیاری طباعت

کل صفحات ۸۳۶، قیمت: ۶۰۰ روپے صرف

ملنے کے پتے

مکتبہ تحقیق وتصنیف اسلامی، نبی نگر، جمال پور، پوسٹ بکس نمبر ۹۳، علی گڑھ۔ ۲۰۲۰۰۲

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، D-307، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۲۵

اسٹیفن ہاکنگ کے نظریات کا تنقیدی جائزہ

پروفیسر محمد رفعت

سائنس سے وابستہ بعض شخصیات ایسی ہیں جو سائنسی دنیا کے باہر بھی مشہور ہوئیں۔ ایسی شخصیات میں اسٹیفن ہاکنگ (Stephen Hawking) کا بھی شمار ہوتا ہے۔ اسٹیفن ہاکنگ کی پیدائش ۱۹۴۲ء میں ہوئی اور ۲۰۱۸ء میں اس کا انتقال ہوا۔ اس کا تعلق انگلینڈ سے تھا۔ اپنی علمی اور تحقیقی خدمات اس نے کیمبرج یونی ورسٹی میں انجام دیں۔ اگر ہم اس سوال پر غور کریں کہ سائنس اوراس کی شاخ فزکس میں ہاکنگ نے کیا کارنامہ انجام دیا تو چند عنوانات ہماری توجہ مبذول کراتے ہیں:

شہرت کا سبب

ہاکنگ نے جن موضوعات پر کام کیا ان میں سب سے اہم بلیک ہول (قعر اسود) کا موضوع ہے۔ اس نے اس مسئلے کی تحقیق کے لیے بیسویں صدی کے سائنسی نظریات کا استعمال کیا۔ اس سے اتنی بات واضح ہے کہ اس کی گرفت سائنس اور طبیعیات کے تصورات پر بہت مضبوط تھی۔ سائنس کے نظریات کو سمجھنے میں اس کی تحقیقی کاوشوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ جب ہم یہ سوچتے ہیں کہ اس کی شہرت کی اصل وجہ کیا ہے؟ تو یہ اس کا سائنسی کارنامہ نہیں معلوم ہوتی۔ واقعہ یہ ہے کہ بیسویں صدی عیسوی میں سائنس کی دنیا میں ہاکنگ سے کہیں زیادہ اہم کام کرنے والی دوسری شخصیتیں موجود تھیں۔ اگر کوئی فہرست تیار کی جائے کہ اس صدی میں کن اہل تحقیق کا کام فزکس کی دنیا

میں نمایاں اہمیت رکھتا ہے تو ہاکنگ کا نام پہلے یا دوسرے نمبر کے بجائے شاید بیسویں نمبر پر آئے گا، لیکن اس کے باوجود اس کو بڑی شہرت حاصل ہوئی۔

اس دنیا میں شہرت کیسے حاصل ہوتی ہے، یہ ہم نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی طے کرتی ہے کہ کون مشہور ہوگا اور کون گم نام؟ تاہم اگر غور کیا جائے کہ اسٹیفن ہاکنگ کی شہرت کی کیا وجہ تھی؟ تو چند باتیں سمجھ میں آتی ہیں:

زندگی کے درمیانی دور میں، جب کہ ہاکنگ کی جوانی کا دور ابھی ختم نہیں ہوا تھا، اس پر فالج کا حملہ ہوا اور جسم کا بڑا حصہ کام کرنے کے لائق نہیں رہا۔ پھر اس کیفیت کا اثر جسم کے باقی حصوں پر بھی پڑا۔ یہاں تک کہ آہستہ آہستہ بولنے کی طاقت بھی ختم ہو گئی، لیکن انگلیوں اور آنکھوں کی حرکت کی مدد سے اس کے لیے کمپیوٹر کا استعمال ممکن رہا۔ کمپیوٹر کو اس طریقے سے ترتیب دیا گیا کہ وہ ہاکنگ کی انگلیوں اور آنکھوں کی حرکت کے ذریعہ کام کرتا تھا۔ اس طرح اس نے کتابیں بھی لکھیں اور علمی تحقیق بھی کی، نتائج تحقیق دنیا کے سامنے بیان کیے اور سائنس کے موضوعات کا عام فہم تعارف بھی کرایا۔

چنانچہ بظاہر شہرت کا سبب ہاکنگ کی غیر معمولی زندگی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص کی جسمانی طاقت بہت کم تھی، فالج کی وجہ سے وہ بولنے اور لکھنے کا کام براہ راست نہیں کر سکتا تھا۔ اسے کمپیوٹر کی مدد لینی پڑی۔ ان غیر معمولی مشکلات کے باوجود اس نے اول درجے کی تحقیق کی اور اپنے خیالات اور تحقیقات کا عام فہم تعارف بھی کرایا۔ یہ سب امور کشش کا باعث ہیں۔ اس کی غیر معمولی محنت، عزم، ارادہ اور تسلسل کے ساتھ کام، جسمانی صلاحیت اسی قدر متاثر ہو جانے کے باوجود اس کی سرگرم زندگی میں ہمارے لیے سبق موجود ہے۔ سبق یہ ہے کہ ہم زندگی کی مشکلات سے نہ گھبرائیں، بلکہ عزم اور ارادے کے ساتھ مشکلات پر قابو پائیں۔

ہاکنگ کی مقبول کتاب

علمی دنیا میں ایسی موو (Asimov) کا نام معروف ہے، جس نے سائنس کے تصورات کا سہارا لے کر مستقبل کی دنیا کی تصویر، سائنسی کہانیوں کی شکل میں پیش

کرنے کی کوشش کی ہے۔Asimov نے سائنس فکشن یعنی سائنسی کہانیاں لکھنے کے میدان میں شہرت حاصل ہے۔ اس کی کہانیوں میں مشینی دماغ یعنی روبوٹ سے متعلق کہانیاں بھی موجود ہیں۔ ان داستانوں میں ایسی دنیا کا تصور پیش کیا گیا ہے جس میں مفلوج افراد، جن کی جسمانی صلاحتیں کم زور ہوں یا ختم ہو گئی ہوں، روبوٹ کا سہارا لے کر اپنے کام کر سکتے ہیں۔ گویا روبوٹ ان کی جسمانی کمی پوری کر دیتا ہے۔ یہ تو کہانی کی بات ہے، لیکن ہاکنگ کی زندگی میں یہ افسانہ حقیقت کی شکل میں نظر آتا ہے۔

ہاکنگ کے علمی اور تحقیقی کام کا تعلق ایک خاص سائنسی موضوع سے ہے۔ جس کو بلیک ہول (قعر اسود) کہا جاتا ہے۔ (اس کا ذکر آگے آئے گا) اس کے علاوہ اس نے دیگر سائنسی موضوعات پر بھی اظہار خیال کیا اور تحقیقات کیں۔ اس نے سائنس کے تصورات اور تحقیقات کا عام فہم اور مقبول عام تعارف کرانے کی کوشش کی۔ اس سلسلے میں اس کی ایک کتاب زیادہ مشہور ہوئی، جس کا نام ہے A Brief History of Time۔ یعنی وقت کے تصور کی مختصر تاریخ۔ یہ کتاب ۱۹۸۸ء میں شائع ہوئی اور اپنے زمانے میں اسے best seller (سب سے زیادہ فروخت ہونے والی) کی حیثیت حاصل ہوئی۔ کتاب کا ترجمہ کئی زبانوں میں ہوا اور بڑے پیمانے پر خریدی اور پڑھی گئی۔

اس کتاب کی اشاعت کے چند سال بعد اس نے اسی کتاب کا خلاصہ 'تصور وقت کی مختصر تر تاریخ' کے نام سے لکھا، جس میں سائنسی تصورات کی عام فہم تفہیم کی کوشش کی۔ یہ تحریریں ہاکنگ کے نمایاں کاموں میں شامل ہیں۔ اس نے کائنات کی ابتدا، خدا کے تصور اور خدا اور کائنات کے تعلق جیسے موضوعات پر بھی اظہار خیال کیا ہے۔ یہ موضوعات عام انسان کی دل چسپی کے موضوعات ہیں، چاہے وہ سائنس نہ جانتا ہو۔ ہر شخص بہر حال کائنات اور خدا کے بارے میں سوچتا ہے۔ ہاکنگ کی تحریروں کے پڑھنے والوں نے خدا اور کائنات کے بارے میں اس کے خیالات پر بھی توجہ دی۔

غالباً بیسویں صدی میں صرف آئنس ٹائن (Einstein) ایسی دوسری شخصیت ہے جس کو اتنی زیادہ شہرت حاصل ہوئی ہے۔ بیسویں صدی سائنس اور فزکس کی دنیا میں بعض انقلابی تبدیلیوں کی حامل صدی تھی۔ سائنس کے تصورات میں تبدیلیاں تو

ہمیشہ ہوتی رہی ہیں، لیکن بسا اوقات یہ تبدیلیاں بڑی ہمہ گیر نوعیت کی ہوتی ہیں، جن کا علمی دنیا پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ تحقیق طلب سوالات، انداز گفتگو اور انداز بیان سب بدل جاتے ہیں۔ اگر ہم غور کریں کہ بیسوی صدی کی فزکس اور سائنس میں ہونے والی خاص تبدیلیاں کیا ہیں تو دو قابل ذکر تغیرات سامنے آتے ہیں:

بیسویں صدی کی اہم سائنسی تبدیلیاں

ایک تبدیلی تو وہ ہے جسے Relativity کا نظریہ کہا جاتا ہے، یعنی نظریۂ اضافیت۔ اس کو ابتدائی اور مربوط شکل میں آئنس ٹائن نے ۱۹۰۵ء میں پیش کیا۔ آئنس ٹائن کا تعلق جرمنی سے تھا۔ جب جنگ عظیم کے بعد جرمنی میں یہودیوں کا رہنا مشکل ہو گیا تو وہ امریکہ میں جا بسا۔ ۱۹۰۵ء میں آئنس ٹائن نے اپنا نظریۂ اضافیت پیش کیا، جس کو Special Theory of Relativity کہا جاتا ہے، یعنی آئنس ٹائن کے اضافیت کے نظریہ کا خاص پہلو۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تصور اضافیت کا ایک پہلو۔ اس کے دس سال بعد ۱۹۱۵ء میں آئنس ٹائن ہی نے General Theory of Relativity، یعنی عام (یا جامع) نظریۂ اضافیت پیش کیا، جو سابق نظریے کے مقابلے میں زیادہ وسیع ہے۔ نظریہ اضافیت کی تشریح کرنے، اس کو سمجھنے اور اس کو بیان کرنے میں بہت سے لوگوں نے حصہ لیا ہے۔ ایسے شارحین کی تعداد مختصر نہیں، بلکہ سینکڑوں میں ہے، لیکن اصل تحقیقی کام اور بنیادی تصوارات آئنس ٹائن کے پیش کردہ ہیں۔ بیسویں صدی کی فزکس میں یہ ایک نمایاں اور انقلابی تبدیلی تھی جو واقع ہوئی، یعنی نظریۂ اضافیت کی تخلیق۔

دوسری نمایاں تبدیلی وہ ہے جسے کوانٹم نظریہ یا کوانٹم تھیوری (Quantum Theory) کہا جاتا ہے۔ اردو میں اسے نظریۂ مقادیری کہتے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ لفظ 'کوانٹم' صوتی اعتبار سے ایسا ہے کہ اردو اس کو قبول کر سکتی ہے، اس لیے اس کا ترجمہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس نظریے کو پیش کرنے والا 'پلینک' نامی شخص تھا۔ ۱۹۰۰ء میں ایک صدی ختم ہو رہی تھی اور بیسویں صدی شروع ہو رہی تھی۔ اس وقت پلینک نے اپنے نظریات ابتدائی شکل میں پیش کیے۔ اس کے ایک چوتھائی صدی بعد تین اہم شخصیات نے

اس نظریے کی مربوط تشریح کی، اس میں اہم اضافے کیے اور اس کی تفصیل بیان کی۔ یہ تین شخصیات ہیں Schrodinger (شروڈنگر)، ہازن برگ (Heisenberg) اورڈراک (Dirac)۔

اضافیت اور تصور کوانٹم دو نظریات ہیں، جنھوں نے بیسویں صدی کی فزکس اور سائنس پر انقلابی اثرات ڈالے اور سائنسی طرز فکر میں نمایاں تبدیلیاں کیں، جن کا اثر انسانوں کے عام فلسفیانہ تصورات پر بھی پڑا۔ وہ تبدیلیاں کیا ہیں؟ یہ جاننے کے لیے بیسویں صدی سے پہلے سائنس کی دنیا میں رائج تصوارت کا جائزہ لینا ضروری ہے، تا کہ پس منظر سامنے رہے۔ مظاہر کائنات کو سمجھنے کے لیے بیسویں صدی سے پہلے مقبول سائنسی تصورات وہ تھے جو اصلاً نیوٹن نے پیش کیے تھے۔ نیوٹن کا دور آج سے ۳۰۰ سال قبل کا ہے۔ نیوٹن کی مشہور کتاب ۱۶۸۷ء میں (یعنی تین سو سال سے کچھ زیادہ عرصہ قبل) شائع ہوئی۔ نیوٹن کا تعلق انگلینڈ سے تھا۔ اس کتاب کا مختصر نام پرنسپیا (Principia) ہے، جو ریاضی اور فزکس سے متعلق نیوٹن کی تحقیقات پر مشتمل ہے۔ یہ دقیق کتاب ہے۔ آج بھی اس کو پڑھنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔

نیوٹن کا کارنامہ

یہ کتاب ۱۶۸۷ء میں شائع ہوئی اور دو صدیوں تک سائنسی دنیا پر چھائی رہی۔ آج بھی اس کے اثرات جوں کے توں موجود ہیں۔ عصر حاضر کی سائنس اور ٹیکنالوجی کی تفصیلات کا جائزہ لیں تو اس کا دو تہائی حصہ ایسا ہے جس کی کام یاب تفہیم نیوٹن کے تصوارت کی مدد سے ہی کی جاتی ہے۔ ان تصوارات سے زیر مشاہدہ دنیا کی ایک خاص تصویر ذہن میں ابھرتی ہے۔ نیوٹن کے بارے میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ وہ تثلیث کا قائل نہیں تھا۔ خاندانی پس منظر کے اعتبار سے وہ عیسائی تھا، لیکن تثلیث کے بجائے وہ توحید کا قائل تھا۔ ایک قادر مطلق خدا پر یقین رکھتا تھا۔ اس کی سائنسی تحقیقات ریاضی اور فزکس پر مرکوز تھیں، لیکن یہ اس کی دل چسپی کے اصل موضوعات نہیں تھے۔

مذکورہ بالا کتاب نیوٹن نے اس وقت لکھی جب اس کی عمر پینتالیس (۴۵) سال کی ہو چکی تھی۔ اس میں جو تحقیقات بیان کی گئی ہیں وہ کتاب کی اشاعت سے کافی پہلے اس کی گرفت میں آ چکی تھیں، جب اس کی عمر پچیس (۲۵) سال سے زیادہ نہیں تھی۔ بظاہر اس کا کوئی ارادہ کتاب شائع کرنے کا نہیں تھا۔ اپنے دوستوں کے اصرار پر اس نے یہ کتاب تحریر کی۔ اس کی دل چسپی کا اصل موضوع تو کیمیائی تجربات تھے اور ان سے بھی زیادہ بائبل سے اسے دل چسپی تھی۔ بائبل کا وہ بڑا عالم تھا۔ اس نے اپنی زندگی کا باقی حصہ بائبل کو سمجھنے میں اور اس کے رموز کو جاننے میں گزارا۔ اپنی زندگی میں وہ خدا پرست انسان نظر آتا ہے۔

تحقیق کے میدان میں اس نے جو کچھ پیش کیا ہے اسے خدا کے تصور سے مربوط کرنے کی کوشش کی ہے۔ البتہ ہم جانتے ہیں کہ وقت کی غالب فلسفیانہ فضا سے کوئی بھی شخص آزاد نہیں رہ پاتا، چاہے نیوٹن جیسا عظیم ماہر ہی کیوں نہ ہو۔ اپنے ذاتی تصورات کے لحاظ سے خدا پرست ہونے کے باوجود اس نے جو کچھ پیش کیا اس میں مغرب کی دنیا کے اثرات نظر آتے ہیں، جہاں الحاد کا رجحان غالب تھا۔ مزید برآں مغربی دنیا نے نیوٹن کے تصورات کو اس طرح استعمال کیا کہ وہ الحاد کی تائید کرتے ہوئے نظر آئے۔

الحاد کے رجحان کی تائید کی ایک مثال دی جا سکتی ہے۔ نیوٹن کے تصورات کی تشریح کرنے والے بہت سے محققین نے اپنی کاوشیں پیش کیں۔ نیوٹن کے ایک صدی بعد ان شارحین میں ہمیں ایک اہم نام ریاضی داں لیپ لاس (Laplace) کا نظر آتا ہے۔ اس کا طرز فکر یہ ہے کہ اس دنیا میں فطری قانون موجود ہے، جو مظاہر کائنات کی تفہیم کے لیے کافی ہے۔ خداوند قدوس کا کام صرف اتنا ہے کہ اس نے کائنات کی ابتدا کر دی۔ اس کے بعد کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ فطری قوانین کی کارفرمائی کی بنا پر خود بہ خود (Automatically) ہوتا چلا جا رہا ہے۔ نیوٹن کے پیش کردہ تصورات بنیادی قوانینِ فطرت کو بیان کرتے ہیں۔ اس تعبیر کے مطابق اگر ہم اس وقت کی

(کائنات کی) صورت حال کو جانتے ہوں (مشاہدہ کے ذریعہ) تو کائنات کا ماضی کیا تھا؟ یہ بھی بتا سکتے ہیں اور مستقبل کیا ہوگا؟ یہ بھی بتا سکتے ہیں۔ شرط یہ ہے کہ ہمیں قوانینِ فطرت کا درست فہم حاصل ہو۔

اس وقت سائنس کی دنیا میں یہ خوش فہمی عام تھی کہ نیوٹن کی تحقیقات کے بعد اب قوانین فطرت کا علم تو ہمیں تقریباً مکمل حاصل ہو چکا ہے۔ اب کچھ راز نہیں رہ گیا ہے۔ ہم قابل مشاہدہ مظاہر میں کارفرما قوانین کی تلاش کے آخری مراحل تک پہنچ گئے ہیں۔ کائنات کی کنجی ہم نے پالی ہے۔ یہ وہ بات تھی جو اٹھارویں صدی میں مقبول تھی، لیکن حقیقت حال ایسی نہ تھی۔ جلد معلوم ہو گیا کہ نیوٹن نے جو کچھ پیش کیا تھا وہ نت نئے مشاہدات کی تشریح و تفہیم کے لیے کافی نہ تھا، بلکہ انیسویں صدی کے وسط تک مظاہر کائنات سے متعلق فزکس کی دنیا میں وہ مشاہدات بھی سامنے آ چکے تھے جن کی تشریح محض مشینی قوانین کے ذریعہ سے نہیں کی جا سکتی تھی۔

مظاہر فطرت میں جو پہلی چیز انسان کی توجہ مبذول کرتی ہے وہ فلکیات کی دنیا ہے، جو ہم سے بہت دور ہے۔ انسان زمین کا مشاہدہ تو ذرا بعد میں کرتا ہے، لیکن چاند اور سورج کا پہلے کرتا ہے۔ مغرب میں سائنس کی نئی ابتدا سولہویں صدی میں ہوئی۔ اس مرحلے میں فلکیات سے نئے سائنسی تصورات کا آغاز ہوا۔ پرانے مشاہدات، جو چاند، سورج اور سیاروں سے متعلق تھے، ان کو ازسرِ نو ترتیب دیا گیا اور مربوط تشریح پیش کرنے کی کوشش کی گئی، جو پہلے کی تشریح سے بہتر ثابت ہو سکے۔

علم فلکیات

نئی سائنس میں اجرامِ فلکی کی حرکت کو سمجھنے کی کوشش کی گئی۔ نیوٹن کے نقطۂ نظر کی ندرت یہ ہے کہ اس نے حرکت کی جامع تعبیر تلاش کی۔ اس نے توجہ دلائی کہ سورج اور چاند کی طرح زمین کی چیزیں بھی حرکت کر رہی ہیں۔ زمین پر بہت سی اشیاء ہمیں چلتی پھرتی نظر آتی ہیں۔ ان میں بطور مثال ذرّات ہیں اور ہوا کی گردش ہے۔ نیوٹن کے

مطابق حرکت کی ماہیت ایک جیسی ہے اور جہاں بھی حرکت موجود ہو، اس کے قوانین یکساں ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ آسمان میں متحرک اجسام کے لیے کچھ قوانین ہوں اور زمین پر کچھ اور ہوں۔ سائنس کی دنیا میں یہ ایک نادر خیال تھا، جو پیش کیا گیا۔ اس سے پہلے لوگ یہ کہتے تھے کہ فلکیات کی دنیا الگ ہے اور زمین کے معاملات الگ۔ دونوں کے سلسلے میں الگ الگ طرز پر سوچنا چاہیے۔

نیوٹن کے تجویز کردہ نظام تصوارات میں حرکت اور ذرّات کو بنیادی حیثیت حاصل تھی۔ اس رجحان کو تقویت ایک قدیم تصور سے حاصل ہوئی، جسے ماضی میں متعدد لوگوں نے پیش کیا تھا، یعنی ایٹم کا تصور۔ کہا جاتا ہے کہ یونانیوں نے آج سے مدتوں پہلے ایٹم کے بارے میں سوچا۔ جدید مغرب نے نشأۃ ثانیہ میں اسے دوبارہ دریافت کیا اور ڈالٹن کا نظریۂ ایٹم سامنے آیا۔ وہ یہ کہ مادی چیزیں ایٹموں پر مشتمل ہیں، جو ہمیں نظر نہیں آتے، مگر بہر حال ان کا وجود ہے۔ ان کے وجود کی تائید کرنے والے شواہد دریافت کیے گئے ہیں۔

کائنات کے مشینی تصور کے نقائص

نیوٹن کے نظام تصورات میں ذرّات کی حرکت کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ دنیا میں ذرّات کی موجودگی اور حرکت کا ظہور ایسی بنیادی حقیقتیں ہیں جو مظاہر کی تشریح میں مدد دیتی ہیں۔ انسان جاننا چاہتا ہے کہ ذرّات کی حقیقت کیا ہے؟ ان کی حرکت کس طرح ہوتی ہے؟ پھر یہ کہ روشنی کیا ہے؟ نیوٹن کا کہنا یہ ہے کہ جو روشنی ہم دیکھ رہے ہیں وہ بھی ذرّات ہی پر مشتمل ہے۔ اس کے خواص کو اس تصور کے تناظر میں بیان کیا جا سکتا ہے، مثلاً سیدھی لائن میں روشنی کا چلنا۔ اس خصوصیت کی توجیہ کے لیے ہم ذرات کی خاصیتوں کو کافی سمجھتے ہیں۔ ذرات کے ذریعہ روشنی کی خصوصیات کی تشریح کی جا سکتی ہے۔

مندرجہ بالا دعووں اور لیپ لاس جیسے راسخ العقیدہ سائنس دانوں کے خیالات

کے باوجود (جو سائنس کے تصوارت پر گویا ایمان لے آئے تھے) انیسویں صدی کے وسط تک ایسے مشاہدات سامنے آ چکے تھے (خاص طور پر روشنی اور بجلی کے سلسلے میں) جن کی تشریح مشینی تصور کائنات سے نہیں ہو سکتی تھی، جو اس وقت رائج تھا، یعنی اگر ہم یہ کہیں کہ کائنات میں ذرّات اور ان کی حرکتوں کے علاوہ کچھ اور موجود نہیں تو ہم نہ روشنی کی تشریح کر سکتے ہیں نہ بجلی کی۔ ہم ان خصوصیات کو نہیں سمجھ سکتے جو روشنی سے متعلق ہیں۔ انیسویں صدی کی سائنس پر مشینی تعبیرات چھائی ہوئی تھیں، لیکن اس صدی کے ختم ہوتے ہوتے محققین نے یہ سمجھ لیا کہ نیوٹن کے تصورات کافی نہیں۔ ان کے ساتھ ہمیں کچھ اور نئی تعبیرات اور نئے تصوارات کی بھی ضرورت ہے۔ بلاشبہ ذرّات موجود ہیں، ان کی حرکت بھی ایک حقیقت ہے، لیکن یہ کُل کائنات نہیں۔ بطور مثال اس دنیا میں لہروں (Waves) کا وجود بھی ہے۔

کوانٹم نظریہ

بیسویں صدی آئی تو مزید نئے چیلنج ساتھ لائی۔ آپ چاہے ذرّات کا ذکر کریں یا لہروں کا، مگر اب تک کی سائنس کے مطابق دونوں مظاہر فطرت میں ایک مشترک خصوصیت موجود تھی، جس کو لیپ لاس نے بڑی اہمیت دی تھی کہ اصلاً بس قوانینِ فطرت ہیں، جن کی بدولت دنیا میں تبدیلیاں خود بہ خود ہوتی جاتی ہیں۔ اگر کسی صاحبِ ارادہ ہستی (مثلاً خداوند قدوس) کا تدبیر کائنات میں کوئی رول یا کردار ہے تو محض تخلیق کی ابتدا کرنے کا ہے۔ لیکن بیسویں صدی آئی تو سائینس 'کوانٹم نظریہ' سے آشنا ہوئی۔ اس نظریے نے ایک نیا سوال پیدا کر دیا کہ کیا حقیقت (خارجی دنیا میں فی الواقع) موجود ہے اور ہم محض اس کا مشاہدہ کرتے ہیں، یا ہمارے مشاہدات سابقہ صورت حال کو بدل سکتے ہیں؟

اس سوال کے جواب میں ردعمل دو طرح کا ہو سکتا ہے: ایک موقف یہ ہے کہ کائنات تو جیسی کچھ ہے، خارج میں موجود ہے، ہم انسان محض اس کا مشاہدہ کرنے والے

ہیں۔ صورت حال ہمارے مشاہدے سے بدلتی نہیں ہے، جب تک ہم مشاہدات کے دائرے میں انسانی دنیا کو شامل نہ کریں۔ بظاہر یہ بات صحیح معلوم ہوتی ہے۔

بہر حال مشاہدے اور مشاہد کی دوئی کا یہ دعویٰ ان لوگوں کا نہیں تھا جو انسانی دنیا کی تشریح کر رہے تھے، بلکہ یہ دعویٰ ان محققین کا تھا جو (بظاہر) بے جان دنیا کے مظاہر کے بارے میں تحقیق کر رہے تھے۔ ان کا ادّعا یہ تھا کہ اس بے جان دنیا میں حقیقت ہمارے مشاہدے سے بے نیاز ہے۔ وہ ہمارے دیکھنے سے نہیں بدلتی۔ مگر کوانٹم نظریے نے اس مقبولِ عام خیال کو رد کر دیا۔ جیسے جیسے کوانٹم نظریہ ترقی کرتا گیا، یہ بات زیادہ نمایاں ہوتی چلی گئی کہ ہمارے مشاہدات واقعات کو بدل سکتے ہیں۔ ہمیشہ یہ ممکن نہیں کہ زیر مشاہدہ چیز اور دیکھنے والے کے درمیان ہم ایسی لکیر کھینچ سکیں جو دونوں میں واضح امتیاز کر دے۔ غالب نے کوانٹم نظریہ کے ظہور سے پون صدی قبل فلسفۂ وحدت الوجود کے زیر اثر یہ بات کہی تھی ؎

اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے
حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

ابتدائی سوال کے جواب میں یہ دوسرا موقف ہے جو کوانٹم نظریہ نے تجویز کیا۔ یہ حقیقت تسلیم کی گئی کہ جب انسان سائنس کے اس شعبے کا (مشاہدے کے ذریعے) مطالعہ کرتے ہیں جو ایٹموں اور ذرّات کی دنیا سے متعلق ہے (جو براہ راست آنکھوں سے نظر نہیں آتی، مگر جس کا بالواسطہ مشاہدہ ممکن ہے۔) تو وہاں انسانی مشاہدے سے واقعات بدل سکتے ہیں۔ یہ سائنس کے تصورات میں ایک انقلابی تبدیلی ہے، جس نے مشینی تصور کائنات کے لیے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔

کائنات میں ذرّات کی موجودگی کو نیوٹن نے بڑی اہمیت دی تھی۔ دوسرے مفکرین نے نیوٹن کے نظام تصوارت میں لہروں کی تشریح کی گنجائش نکالی۔ تاہم انیسویں صدی کے اختتام تک یہ سب شارحین یہ سمجھتے تھے کہ اگر ہم قوانین فطرت کو جانتے ہوں تو تفصیلی پیشین گوئی کر سکتے ہیں اور بتا سکتے ہیں کہ کائنات میں مستقبل میں کیا ہوگا؟ اور

اگر اپنی پیشین گوئی کے استدلال کو ماضی کی طرف لے جائیں تو یہ بھی بتا سکتے ہیں کہ ماضی میں کیا ہوا ہوگا؟ لیکن اب کوانٹم نظریہ اس طرز کی پیشین گوئی کی اجازت نہیں دیتا۔اس نظریے کو درست سمجھا جائے تو ہم یہ تو نہیں بتا سکتے کہ مستقبل کیا ہوگا؟ البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ کسی خاص مظہر فطرت کے تناظر میں (بطور مثال) دس مختلف طرح کے امکانات ہیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے، وہ بھی ہوسکتا ہے۔ ہر ایک نتیجے کا کتنا فی صد امکان ہے، اس کا حساب ریاضی کی مدد لگا سکتے ہیں، مگر یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ فلاں امکان ہی ظہور پزیر ہوگا۔ مثال کے طور پر بہت سارے ایٹم ایسے ہیں جو قدرتی طور پر ٹوٹتے رہتے ہیں۔ ایٹم کا ایک مرکزی حصہ ہوتا ہے، جسے نیوکلییس کہتے ہیں۔ اس میں سے ذرّات نکلتے رہتے ہیں۔ یورینیم (Uranium)اس کی مثال ہے۔خود بخود ان ذرات کا نیوکلس سے نکلنا ریڈیو ایکٹیوٹی (تاب کاری) کہلاتا ہے۔ اس کا استعمال بجلی بنانے میں کیا جاسکتا ہے۔اس کے تخریبی استعمال کے امکانات بھی ہیں۔

تاب کاری کی مثال

یورینیم یا اسی طرح کے بعض دوسرے عناصر کے نیوکلییس سے ذرات نکلتے رہتے ہیں، چنانچہ یورینیم بدل کر بتدریج ایک دوسرا عنصر بن جاتا ہے۔ آپ یہ بتا سکتے ہیں کہ اگر ہمارے پاس سو گرام یورینیم آج موجود ہے تو اتنے عرصے بعد سو میں سے اسّی گرام باقی بچے گا۔ باقی بدل کر کچھ اور بن چکا ہوگا۔ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ بیس گرام ابتدائی مادہ ایک دوسرا عنصر بن گیا، لیکن سو گرام میں کون سا حصہ کچھ اور بنا یہ ہم نہیں بتا سکتے۔

انسانی دنیا میں اس کی مثال یوں سمجھ لیجیے کہ ایک گاؤں میں انسانوں کی آبادی ایک ہزار ہے۔ سابق مشاہدات کی بنا پر ہمارا اندازہ یہ ہے کہ اگلے پانچ سال میں اس گاؤں میں دس لوگوں کا انتقال ہو جائے گا، مگر وہ کون سے دس ہوں گے؟ یہ ہم نہیں بتا سکتے۔ یہاں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم جانتے نہیں، اللہ کی مشیت کسی فرد کی موت کا وقت

طے کرتی ہے اور یہ مشیت ہمارے علم میں نہیں۔

اب تاب کار مادے کو لیجیے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم مادی دنیا کے قوانینِ فطرت کو جانتے ہیں، لیکن اس علم کے باوجود یہ نہیں بتا سکتے کہ اس یورینیم مادے کے کس حصے میں تبدیلی واقع ہوگی اور کون سا جُز (یورینیم کے طور پر) باقی رہ جائے گا؟ یہ پیشین گوئی کا نقص ہے۔ Prediction (پیشین گوئی) کی صلاحیت، جو کامل سمجھی گئی تھی، وہ حقیقتاً ناقص ثابت ہوئی۔

یہ ایک ہی طرز فکر کی دو تعبیریں ہیں۔ آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا مشاہدہ حقائق کو متاثر کرتا ہے اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ پیشین گوئی مطلق نہیں، یقینی نہیں، Certainاور Absolute نہیں ہوسکتی، بلکہ محض امکانی نوعیت رکھتی ہے۔ ہم محض کسی واقعے کے امکان کو بتا سکتے ہیں، اس کے لازمی ظہور کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ سائنسی تصورات میں یہ ایک انقلابی تبدیلی ہے، جو بیسویں صدی کی دنیا میں سامنے آئی۔

ہاکنگ کا سائنسی کارنامہ

ہاکنگ کی تحقیقات کا ایک اہم جُز قعرِ اسود یا بلیک ہول سے متعلق ہے۔ قعرِ اسود کا ابتدائی تصور تو ہاکنگ کا نہیں ہے (دوسرے لوگ پہلے اسے پیش کر چکے تھے)، البتہ اس کو سمجھنے میں ہاکنگ کی تشریحات نے بھی مدد کی ہے۔ کائنات میں ہم سیّاروں کے وجود سے واقف ہیں، سورج بھی ایک سیّارہ ہے، جو دوسرے سیّاروں کے مقابلے میں ہم سے سب سے زیادہ قریب ہے۔ ہمارے حساب سے تو سورج بہت دور ہے، یعنی نو کروڑ میل یا پندرہ کروڑ کلومیٹر، لیکن اللہ تعالیٰ کی کائنات بڑی وسیع ہے۔ اس میں پندرہ کروڑ کلومیٹر کا فاصلہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ سورج سے روشنی زمین تک صرف آٹھ منٹ میں آجاتی ہے۔ اس کے بعد زمین سے قریب ترین جو سیّارہ ہے، اس کو الفاسنٹاری کہا جاتا ہے، اس سے روشنی کو زمین تک آنے میں چار سال لگ جاتے ہیں۔ یہ قریب ترین سیّارے کا معاملہ ہے۔ خدا کی کائنات کی وسعت کے تناظر میں زمین سے

سورج کا فاصلہ معمولی فاصلہ ہے۔ سورج نظام شمسی کا مرکز ہے۔ اس نظام میں بہت سارے سیارے موجود ہیں۔ زمین بھی ان میں سے ایک ہے۔ سورج جیسے بہت سارے سیّارے کائنات میں موجود ہیں۔ سیّارے سے روشنی اور گرمی نکلتی ہے تو اس میں موجود توانائی آہستہ آہستہ ختم ہوتی جاتی ہے۔ ایک بڑے لمبے عرصے کے بعد ایسا وقت بھی آتا ہے، جب سیّارے کی توانائی بالکل ختم ہو جاتی ہے اور وہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ اس مرحلے میں سیّارے کو سائنسی اصطلاح میں White Dwarf کہا جاتا ہے، یعنی وہ سفید وجود کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

قعرِ اسود

سوال یہ ہے کہ کوئی سیّارہ اس مرحلے تک پہنچ جائے تو اب کیا ہوگا؟ تحقیقات کی بنیاد پر تین امکانات ہیں: ایک امکان یہ ہے کہ وہ پھٹ جائے گا اور منتشر ہو جائے گا، اس کی توانائی دوبارہ یکجا نہیں ہو سکے گی۔ دوسرا امکان یہ ہے کہ وہ سکڑتے سکڑتے چھوٹا ہوتا جائے گا۔ عام مادہ میں ایٹم ہوتے ہیں اور ایٹم میں الیکٹران، پروٹان جیسے ایٹمی ذرات ایک دوسرے سے الگ الگ موجود ہوتے ہیں۔ سکڑ جانے والے سیّارے میں ایسا نہیں ہوگا، وہ اتنی چھوٹی شکل اختیار کر لے گا کہ ایٹم کے ذرات میں سے بس ایک ذرہ باقی رہ جائے گا، جسے نیوٹرون کہتے ہیں۔ گویا سیّارہ نیوٹرون اسٹار بن جائے گا۔ ایک تیسرا امکان بھی ہے۔ وہ ہے قعرِ اسود یا بلیک ہول کا ظہور، یعنی یہ ممکن ہے کہ سیّارہ بلیک ہول بن جائے۔

البتہ بلیک ہول کے ظہور کے لیے شرط یہ ہے کہ سیّارے کا جو ابتدائی وزن تھا وہ ہمارے سورج کے وزن سے کم از کم چالیس فی صد زائد ہو، اس مقدار سے کم نہ ہو۔ سورج کا وزن ہمارے پیمانوں کے مطابق بہت زیادہ ہے۔ کاغذ پر آپ دو کا ہندسہ لکھیں اور اس کے آگے تیس صفر لگا دیں۔ اتنے کلو گرام سورج کا وزن ہے۔ ہماری گنتی سے اس مقدار کو بتایا نہیں جا سکتا۔ یوں سمجھیں کہ وہ دو ہزار ارب، ارب، ارب کلو گرام کا وزن ہے۔ اتنی

بڑی مقدار میں اس کا مادہ ہے۔ اس میں چالیس فی صد کا اضافہ کیجیے۔ سیّارے میں کم از کم اتنا مادہ ہوتب وہ قعرِ اسود یا بلیک ہول بن سکے گا۔ مقدار مادہ کے متعلق یہ جو اندازہ ہے، اس کو چندر شیکھر لمٹ کہا جاتا ہے۔ چندر شیکھر نامی سائنس داں نے، جو ہندوستانی تھا، ۱۹۳۰ء میں یہ خیال پیش کیا تھا۔ اس وقت وہ نوعمر تھا، اس نے کہا کہ بلیک ہول بننا ممکن ہے، مگر اس کے لیے شرط یہ ہے کہ سیّارے میں مادے کی مقدار سورج کی مقدارِ مادہ سے کم از کم چالیس فی صد زائد ہو۔ اس وقت لوگوں نے سوچا کہ یہ نوجوان ان معاملات کو کیا جانے، چنانچہ اس کے تصورات کو ایک لمبے عرصے تک نظر انداز کیا گیا۔ بالآخر نصف صدی کے بعد تسلیم کرلیا گیا کہ اس نے جو اندازہ لگایا تھا وہ درست تھا۔

روایتی فہم کے مطابق بلیک ہول کی خصوصیات

تاہم یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ اب تک کی تحقیق کی مطابق بلیک ہول کا ظہور ممکن ہے، لازم نہیں ہے۔ ابھی تک بلیک ہول صرف امکان کا نام ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے کچھ شواہد موجود ہیں، مگر ان کی حیثیت ایسی نہیں کہ وہ یقینی کہے جاسکیں۔ ان مشاہدات کی تعبیر دوسرے طریقوں سے بھی ہوسکتی ہے۔ بلیک ہول ایک ممکن حقیقت ہے، ثابت شدہ حقیقت نہیں ہے۔ بہر حال ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ بلیک ہول میں کیا ہوگا؟

بلیک ہول کی دو خصوصیات نمایاں ہیں: ایک یہ کہ اس کا حجم بڑا مختصر ہوگا، یعنی وزن تو بہت ہوگا (سورج کے وزن سے بھی چالیس فی صد زیادہ) لیکن حجم مختصر ہوگا۔ ہر مادی وجود میں ثقل کی بنا پر کشش موجود ہے، وہ اپنا کام کرتی ہے اور سیّارے کے حجم کو گھٹاتی ہے۔ چنانچہ بہت چھوٹی سی جگہ میں قعرِ اسود موجود ہوگا۔ دوسری خاص بات یہ ہے کہ بلیک ہول سے کوئی چیز باہر نہیں جاسکتی۔ یہاں تک کہ روشنی بھی اندر چلی جائے تو واپس نہیں آئے گی۔ اس میں کوئی چیز گرے تو جذب ہو جائے گی، لیکن اس میں سے کوئی شئے نکل جائے، ایسا ممکن نہیں ہوگا۔ گویا وہ ایک کھائی ہے، جس میں ہر چیز جو

قریب آئے گی، گر جائے گی۔ اس سے باہر نکلنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔

بلیک ہول کا مقابلہ زمین سے کر سکتے ہیں۔ ہم سطح زمین سے اوپر کی جانب کوئی چیز پھینکیں تو وہ کچھ دور جائے گی، پھر واپس آ جائے گی۔ اِلّا یہ کہ آپ بہت تیز پھینکیں، یعنی ابتدائی رفتار بہت تیز ہو۔ اگر آپ کسی چیز کو چالیس ہزار کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے سطح زمین سے اوپر کی جانب پھینکیں تو وہ زمین پر واپس نہیں آئے گی۔ مگر چالیس ہزار کلومیٹر فی گھنٹہ بہت بڑی رفتار ہے۔ آواز کی رفتار صرف بارہ سو کلومیٹر فی گھنٹہ ہوتی ہے۔ آواز سے تیز سپر سونک طیارے بھی اب بن گئے ہیں، جن کی رفتار پندرہ سو کلو میٹر فی گھنٹہ تک ہو سکتی ہے۔ مگر عام انسانی سواریوں کی رفتار زیادہ نہیں ہوتی۔ ان کے مقابلے میں چالیس ہزار کلومیٹر فی گھنٹہ بڑی رفتار ہے۔ اس رفتار سے کوئی چیز دور پھینک دی جائے تب وہ زمین پر واپس نہیں آئے گی۔ لیکن بلیک ہول کا معاملہ مختلف ہے۔ آپ کسی بھی رفتار سے کوئی شئے اس کی سطح سے دور پھینک دیں، بہر حال وہ واپس آ جائے گی۔ بلیک ہول سے وہ بھاگ نہیں سکتی، اس کے دائرۂ کشش سے روشنی بھی نہیں نکل سکتی۔ یہ اس کی دوسری خصوصیت ہے۔ اس لیے بلیک ہول محققین کی دل چسپی کا باعث رہا ہے۔

ہاکنگ کی جدّت

بلیک ہول کی مذکورہ بالا خصوصیات روایتی سائنس پر مبنی ہیں۔ اس تناظر میں ہاکنگ نے نئی بات پیش کی جس کو اس نے عام فہم انداز میں اپنی کتاب Brief History of Time (تصور وقت کی مختصر تاریخ) میں بیان کیا ہے۔ ہاکنگ نے کوانٹم نظریہ کا حوالہ دیا ہے، جس کے مطابق پیشین گوئی یقینی نہیں ہوتی۔ چنانچہ یقینی پیشین گوئی کی کوشش، کوانٹم نظریہ کے تخلیق کردہ سائنسی مزاج کے خلاف ہے۔ جب آپ یہ کہتے ہیں کہ بلیک ہول سے کوئی چیز نہیں نکل سکتی، تو یہ ایک مطلق پیشین گوئی ہے۔ ہاکنگ کہتا ہے کہ یقیناً اس استدلال میں کوئی جھول اور کوئی کمزوری ہے، اس لیے کہ مطلق پیشین گوئی، نئے سائنسی رجحان سے ہم آہنگ نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ

ہاکنگ نے روس کا سفر کیا۔ روس کے ایک سائنس داں نے اس تضاد کی جانب ہاکنگ کو توجہ دلائی کہ یہ جو بات کہی جاتی ہے کہ بلیک ہول سے کوئی چیز نہیں نکل سکتی، کیا یہ مطلق دعویٰ کوانٹم نظریہ کے مطابق ہے؟ ہاکنگ کو اس سوال نے متاثر کیا اور اس نے بال آخر اپنی تحقیق کر کے نتیجہ نکالا کہ بلیک ہول سے متعلق یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے کہ اس سے کوئی چیز باہر نہیں نکل سکے گی، بلکہ ہوگا یہ کہ بلیک ہول سے روشنی نکلے گی، البتہ اس اخراج کے امکانات کم ہوں گے۔ بتدریج ہی سہی، روشنی نکلتے نکلتے ایک ایسا وقت آئے گا کہ بلیک ہول کی توانائی ختم ہو جائے گی، یعنی وہ منتشر ہو جائے گا اور ایک جرم فلکی کے طور پر باقی نہیں رہے گا۔ بلیک ہول سے روشنی کے اخراج کو ہاکنگ ریڈی ایشن Hawking Radiation کہا جاتا ہے۔ روشنی توانائی کی ایک شکل ہے۔ چنانچہ ہاکنگ کا نظریہ اور تحقیق یہ ہے کہ قعرِ اسود سے توانائی خارج ہوگی۔

ہاکنگ کا یہ استدلال قوی ہے۔ اس لیے کہ کوانٹم نظریے سے مطابقت رکھتا ہے۔ چنانچہ اب عموماً لوگوں نے اس استدلال کو تسلیم کر لیا ہے۔ پیش کردہ بنیادی دلیل کوانٹم نظریہ سے مستنبط ہے۔ البتہ ایک ثانوی دلیل بھی ہاکنگ نے پیش کی ہے، جو پرانی سائنس سے مستعار ہے۔ روایتی فزکس کا ایک باب 'حرارت کے قوانین' سے عبارت ہے۔ اس شعبے کو Thermodynamics کہتے ہیں۔ حرات کے قوانین کی نوعیت نیوٹن کے عام خیالات سے قدرے مختلف ہے، اگر چہ یہ قوانین روایتی فزکس کا حصہ ہیں۔ حرکیات کے ان قوانین میں امکان کا ذکر ہوتا ہے۔ زیر مشاہدہ ذرات کی حرکت سے متعلق یقینی پیشین گوئی نہیں ہوتی۔ حرارت کے قوانین پرانی سائنس کا جُز ہیں۔ یہ بیسویں صدی سے پہلے ترتیب پا چکے تھے، تاہم ان میں اور کوانٹم نظریہ میں یہ امر مشترک ہے کہ دونوں کے مطابق ذرّات کی حرکت کی تفصیلی کیفیت کے سلسلے میں مستقبل کے تناظر میں یقینی بات نہیں کہی جا سکتی۔ ہاکنگ نے دلیل کے طور پر دونوں کو استعمال کیا ہے۔ یعنی کوانٹم نظریہ اور حرکیات حرارت کے قوانین کو۔ ہاکنگ کی اصل دلیل کوانٹم تصورات ہیں اور اس کے استدلال کا حاصل یہ ہے کہ بلیک ہول سے توانائی نکلے گی، حتی

کہ اس میں موجود توانائی بال آخر ختم ہو جائے گی اور اس کا بلیک ہول کے طور پر جداگانہ وجود باقی نہیں رہے گا۔ اس استدلال نے سائنس اور فزکس کی دنیا میں ہاکنگ کی تحقیقات کو نمایاں مقام عطا کیا۔ اس کے تصورات کو لوگوں نے بڑی اہمیت دی اور اس کے استدلال کی قوت کو تسلیم کیا۔

ہاکنگ کے عام افکار

سائنسی تحقیق اور سائنس کے مقبول عام تعارف پر مشتمل کتابوں کی تصنیف کے علاوہ ہاکنگ نے کائنات کی ابتدا اور خدا اور کائنات کے تعلق پر بھی اظہار خیال کیا ہے۔ سائنس دانوں کے مابین کائنات کی ابتدا کے سلسلے میں دو نظریات مقبول تھے، جو بیسویں صدی میں پیش کیے گئے: ایک نظریہ یہ تھا کہ کائنات کی ابتدا ایک دھماکے سے ہوئی۔ اس خیال کو بگ بینگ تھیوری (Big Bang theory) کہا جاتا ہے۔ گویا کائنات کا آغاز ایک نقطے سے ہوا۔ پوری کائنات کا مادہ جمع تھا، پھر کائنات پھیلنا شروع ہوئی۔ ابتدائے کائنات سے متعلق دوسرا تصور وہ تھا جس کو ہبل (Hubble) نے پیش کیا۔ وہ تصور یہ ہے کہ کائنات پھیل نہیں رہی، بلکہ اس میں تخلیق کا عمل مسلسل جاری ہے۔ بظاہر ہمیں کائنات پھیلتی ہوئی نظر آتی ہے، لیکن نئی تخلیق کے تسلسل کی بنا پر یہ تاثر قائم ہوتا ہے۔ چنانچہ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ کائنات کا آغاز ایک نقطے سے ہوا۔

بقول اقبال ؎

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید
کہ آرہی ہے دمادم، صدائے کن فیکوں

جہاں تک مشاہدے کا تعلق ہے، شواہد پہلے تصور کے حق میں ہیں۔ تخلیقِ مسلسل کے نظریے کے حق میں کوئی شواہد پیش نہیں کیے جا سکتے۔ اس کے برعکس جب دور کی کسی کہکشاں Galaxy کا مشاہدہ کیا جائے تو کائنات کا پھیلنا ایک حقیقت کے طور پر سامنے آتا ہے۔

پہلے تصور، یعنی ایک نقطے سے کائنات کے آغاز کو اہلِ تحقیق نے عام طور پر تسلیم کیا۔ ہاکنگ بھی اس کو تسلیم کرتا ہے، یعنی کائنات کی ابتدا ایک نقطے سے اور ایک دھماکے کے ساتھ ہوئی اور اب وہ پھیلتی چلی جا رہی ہے۔ اس نے کائنات کے ارتقاء کے مختلف مراحل بھی بیان کیے ہیں۔ کتاب Brief History of Time میں ان مراحل کا تذکرہ ہے۔ تدریجاً کائنات میں کیا تبدیلیاں ہوئیں؟ اور کس طرح ارتقاء ہوا؟ اس کو ہاکنگ نے بیان کیا ہے۔

تخلیق کائنات کے تذکرے کے بعد ہاکنگ خدا کے بارے میں گفتگو کرتا ہے۔ جو باتیں اس نے کہی ہیں وہ اسی قسم کی ہیں جیسی عام طور پر ملحدین کہتے ہیں۔ مثلاً ایک بات اس نے یہ کہی ہے کہ ہمیں خدا کے تصور کی ضرورت اس وقت تھی جب سائنس نے ترقی نہیں کی تھی اور ہم کائنات کی توجیہ کے لیے خدا کے تصور کا سہارا لیتے تھے۔ اب ہم سائنس کے حقائق و نظریات کو جانتے ہیں، اس لیے ہمیں خدا کے تصور کی ضرورت نہیں ہے۔ ملحدین کا یہ قول بالکل بچکانہ ہے۔ غور کرنا چاہیے کہ کائنات کی سائنسی تشریح اصلاً اس سوال کا جواب ہے کہ کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ کس طریقے اور کس ڈھنگ سے ہو رہا ہے؟ اس میں کارفرما قوانین کیا ہیں؟ اس کے برعکس جب ہم خدا کے وجود کے بارے میں پوچھتے ہیں تو وہ سوال ایک دوسری نوعیت کا ہوتا ہے۔ وہ سوال یہ ہے کہ ان فطری قوانین کا بنانے والا کون ہے؟ ان قوانین کو کام میں لاکر کائنات میں حسن، ترتیب اور تناسب کو قائم کرنے والا کون ہے؟

ملحدین کا قول

وجود خداوندی کے بارے میں مذکورہ بالا بات، جو ہاکنگ نے پیش کی ہے، ملحدین عموماً اس کو دہراتے رہتے ہیں۔ وہ اس بات کو نہیں جانتے کہ اس گفتگو میں دو مختلف سوالات زیرِ بحث ہیں۔ ایک سوال مظاہر کائنات کے بیان (Description) سے متعلق ہے، جب کہ دوسرا سوال کائنات کی تعبیر (Meaning) سے متعلق ہے۔ کہنے والا

یہ تو کہہ سکتا ہے کہ سائنس کی ترقی نے کائنات میں نظر آنے والے مظاہر فطرت کا (مبنی بر مشاہدات) بیان ہمارے سامنے پیش کر دیا، مگر یہ نہیں کہہ سکتا کہ سائنس نے کائنات میں حسن اور توازن کی موجودگی کی توجیہ بھی پیش کر دی ہے۔ بہر حال ہاکنگ کا ایک قول تو یہ ہے کہ ہمیں خدا کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے کہ اب سائنس ترقی کر چکی ہے۔ دوسری بات اس نے یہ کہی کہ خدا تعالیٰ نے کائنات کے قوانین کو وجود بخشا ہے۔ غالباً یہ تصور صحیح ہے (یہ اسی طرح کی بات ہے جو نیوٹن نے پیش کی تھی کہ قوانین فطرت خدا کے بنائے ہوئے ہیں۔) البتہ ہاکنگ کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ براہ راست مداخلت کر کے (اپنے بنائے ہوئے) قوانینِ فطرت میں تبدیلی نہیں کرتا، یعنی ایسا نہیں ہوتا کہ قوانین بنا دینے کے بعد پھر وہ کائنات کے ارتقاء میں (بطور مدبّر) مداخلت کرے اور مداخلت کی صورت یہ ہو کہ کائنات میں نافذ قوانین میں تبدیلی ہو جائے۔ یہ ہاکنگ کا قول ہے۔

ملحدین کا ناقص فہم

مذکورہ بالا بات بہت سے ملحدین کہتے ہیں۔ اس قول کا ایک پس منظر ہے۔ ریاضی داں لیپ لاس کا خیال یہ تھا کہ خدا نے کائنات کی ابتدا کر دی۔ اس کے بعد کائنات میں اس کا رول ختم ہو گیا۔ اس کے برعکس ایک خدا پرست کے نزدیک کائنات کی درست تصویر یہ ہے کہ تخلیق کی ابتدا کے بعد حاکم حقیقی کا کردار ختم نہیں ہوا، بلکہ وہ ہر آن کائنات کی تدبیر کر رہا ہے۔ وہ زندۂ جاوید ہے، محض خالق نہیں، بلکہ وہ مدبر اور حاکم بھی ہے اور اس کا حکم مسلسل کائنات میں جاری ہے۔ اگر کوئی خدا پر ایمان رکھنے والا کائنات کی یہ تصویر پیش کرے تو ملحدین اس پر اعتراض کرتے ہیں۔ ان کا اعتراض یہ ہے کہ خدا کی تدبیرِ مسلسل کے معنیٰ یہ ہوں گے کہ قوانین فطرت میں تبدیلی کا امکان تسلیم کر لیا گیا۔ ملحدین کا فہم یہ ہے کہ خدا پرستوں کے نزدیک قوانین فطرت بدل سکتے ہیں۔ پھر وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم قوانینِ فطرت کی تبدیلی کے امکان کو نہیں مانتے۔ چنانچہ خدا کو بھی نہیں مان سکتے۔ ملحدین کے تصور کے مطابق حاکم حقیقی کی جانب سے تدبیر کائنات کی ایک ہی ممکن صورت ہے، یعنی قوانینِ فطرت میں تبدیلی۔

مغرب کا فکری جمود

ملحدین کا فہم اور استدلال دونوں درست نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اب مغرب میں فلسفۂ سائنس کا ارتقاء رک گیا ہے۔ سائنس کا ارتقاء تو بیسویں صدی میں ہوا اور اب بھی جاری ہے۔ مگر فلسفۂ سائنس پر جمود طاری ہو گیا۔ اس لیے ملحدین درست طرز پر فلسفیانہ غور و فکر کر کے زیر بحث سوال کا معقول جواب نہیں پا سکے۔

بنیادی سوال یہ ہے کہ اگر ہم خدا کے وجود کو مان لیں تو پھر کائنات میں ہر آن واقع ہونے والی تبدیلیوں سے خدا کا کیا تعلق ہے؟ اس سوال کا مدلل فلسفیانہ جواب ملنا چاہیے تھا۔ صحیح جواب فراہم کرنا اصلاً اہل ایمان کی ذمہ داری تھی۔ ہم اہل کتاب کو بھی اس صف میں شامل کر سکتے ہیں۔ بہر حال مغربی دنیا نے اس سوال سے بحث نہیں کی۔ وہ خدا اور کائنات کا سادہ لوحی کے ساتھ تذکرہ کرتے رہے۔ ان کے نزدیک محض قوانینِ فطرت میں تبدیلی کے ذریعے، تدبیر کائنات میں خدائی مداخلت ممکن ہے۔ بہر حال ان کا یہ فہم صحیح نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ قوانینِ فطرت کے علاوہ کائنات کے دوسرے پہلو بھی ہیں۔ مثلاً انسان جب کائنات کی اشیاء کو استعمال کرتا ہے، تو محض فطری قوانین کو نہیں، بلکہ اپنے آزاد ارادے کو بھی استعمال کرتا ہے اور اسباب کو اپنے پیش نظر نقشے کے مطابق ترتیب دیتا ہے۔ پھر قوانین فطرت کے مطابق متوقع نتائج ظاہر ہوتے ہیں۔ انسان کے اس عمل کی بنا پر کائنات میں نافذ قوانین نہیں بدلتے۔ اسی طرح مشیت الٰہی بھی کائنات میں کارفرما ہے اور مشیت الٰہی کا وجود اور کائنات میں اُس کی کارفرمائی، قوانینِ فطرت میں تبدیلی کی متقاضی نہیں۔

قوانینِ فطرت انسانی ارادے، مشیت الٰہی اور حوادثِ کائنات کے مابین صحیح تعلق کی جامع تعبیر و تفہیم درکار ہے۔ یہ موضوع تشریح طلب ہے۔ اس لیے یہاں صِرف اشارتاً اس کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ کسی اور موقع پر اس نکتے پر تفصیلی اظہار خیال کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ

کائنات میں کارفرما عظیم منصوبہ

مندرجہ بالا بحث میں ہاکنگ کے دو اقوال کا تذکرہ کیا گیا۔ اس موضوع پر ہاکنگ کا تیسرا بیان ۲۰۱۰ء کی اس کی کتاب میں سامنے آتا ہے۔اس کتاب کا نام ہے The Grand Design۔(عظیم منصوبہ) یہ عام فہم زبان میں لکھی ہوئی کتاب ہے ۔اس میں ہاکنگ نے گلیلیو (م ۱۶۴۲) کی سائنسی کاوشوں سے آغاز کرکے بیسویں صدی تک کی سائنس کا جائزہ لیا ہے اور اہم تصورات کا تعارف کرایا ہے۔آخر میں اس نے چند بنیادی سوالات پر بحث کی ہے۔ایک سوال جان داروں کی دنیا کے بارے میں ہے۔ سوال یہ ہے کہ جان داروں کی دنیا میں جو ترتیب، حسن، توازن اور باہمی توافق پایا جاتا ہے، اس کی توجیہ کیا ہے؟ خدا پرستوں کے نزدیک اس مظہر کی توجیہ خدا کا وجود اور اس کی تدبیر ہے اور کائنات کا یہ شعبہ مضورِ حقیقی کی مضوری کا شاہ کار ہے، مگر ملحدین اس اعتدال و تناسب کی توجیہ نظریۂ ارتقاء کے ذریعہ سے کرتے ہیں۔ہاکنگ نے اس ضمن میں کوئی خاص بات نہیں پیش کی ہے۔مغرب کے ملحدین عموماً یہی کہتے ہیں۔

اس کے بعد ہاکنگ دوسرا سوال قائم کرتا ہے، جو نظام شمسی (Solar system) سے متعلق ہے، یعنی جان داروں کی دنیا سے باہر آئیے اور (بطور مثال) سورج اور زمین کے تعلق پر غور کیجیے۔ یہاں بھی بے مثال توافق اور توازن نظر آتا ہے۔ گویا ایک عظیم منصوبہ کے خدّ و خال نظر آتے ہیں۔ہم تصور کریں کہ اگر زمین اور سورج کے درمیان فاصلہ کم یا زیادہ ہوتا تو ہمارا حساب بتاتا ہے کہ زمین پر انسانی زندگی کا امکان ختم ہوجاتا۔ اسی طرح زمین پر بارش کا نظام اور ہوا کا نظام انتہائی موزوں صورت میں موجود ہے۔ بہت سی اور مناسبتیں بھی ہیں، جن کا شمار مشکل ہے ۔معلوم ہوتا ہے کہ نظام شمسی انسان کے لیے انتہائی سازگار ہے۔اس موزونیت اور سازگاری کی کیا توجیہ ہے، اگر خالق کو نہ مانا جائے؟ ہاکنگ کا جواب یہ ہے (اور دوسرے ملحدین اس جواب میں شریک ہیں) کہ کائنات میں تنہا یہی ایک نظام شمسی تو نہیں ہے، دنیا میں ایسے بہت

سے نظام موجود ہیں (ان کی تعداد بتانے کے لیے لاکھوں کروڑوں کی گنتیاں بھی چھوٹی ہیں۔) تو ان سب میں اتفاق سے ایک ایسا نظام شمسی ہے جس کے حالات انسانی زندگی کے ظہور اور بقا کے لیے سازگار ہیں۔ شمسی نظاموں کی اتنی بڑی تعداد کی موجودگی کی بنا پر اتفاق سے ایسا ہو جانا غیر متوقع نہیں ہے۔ یہ جواب پہلے ڈاکنس Dawkins نے دیا، جو حیاتیات (Biology) کا ماہر ہے۔ ہاکنگ نے اس کو نقل کیا ہے۔

اب اس کے بعد تیسرا چیلنج ملحدین کے سامنے آتا ہے۔ محض حیاتیات (بائیلوجی) سے واقف اہلِ سائنس اس چیلنج کو جانتے بھی نہیں ہیں، لیکن فزکس کے طالب علم جانتے ہیں۔ اس کو ہاکنگ نے بیان کیا ہے (اور دوسرے مصنفین بھی) وہ چیلنج خود قوانین فطرت کی نوعیت سے متعلق ہے۔ مثال کے طور پر زمین اور سورج کے نظام میں موجود توازن کا ایک سبب باہمی کششِ ثقل ہے۔ اب اس کشش کی نوعیت پر غور کیجیے۔ یہ محض سورج اور زمین کے درمیان ہی نہیں، بلکہ ہر دو اجرام کے درمیان موجود ہے۔ (یعنی آفاقی ہے۔) جو قانونِ ثقل ہمیں معلوم ہے وہ یہ ہے کہ دو اجرام کا درمیانی فاصلہ دوگنا ہو جائے تو ان کے مابین کشش کم ہو کر محض ایک چوتھائی رہ جائے گی۔ سوال یہ ہے کہ اگر قانونِ ثقل کچھ اور ہوتا، مثلاً قوتِ کشش (باہمی فاصلہ دوگنا ہو جانے پر) ایک تہائی ہو جاتی تو کائنات کیسی ہوتی؟

الحاد کی شکست

واضح رہے کہ مذکورہ بالا سوال کائنات میں اشیاء کی موجودگی، ترتیب، تعامل اور توافق سے متعلق نہیں ہے۔ یعنی اشیاء کیا ہیں اور کیسی ہیں؟ بلکہ یہ اس سے مختلف سوال ہے۔ سوال یہ ہے کہ کائنات میں جو قوانینِ فطرت کارفرما ہیں، ان کی نوعیت کیسی ہے؟ ہمارے اب تک کے علم کے مطابق اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ قوانین، انسانی زندگی سے گہری مطابقت رکھتے ہیں اور اس کے تسلسل و بقا کے لیے موزوں و سازگار ہیں۔ اگر ایسی دنیا کا تصور کیا جائے جہاں قوانین کچھ اور ہوں (مثلاً کششِ ثقل کا قانون، اس سے

مختلف ہو جو ہمیں معلوم ہے۔) تو انسانی زندگی ناممکن ہو جائے گی۔ یہ صورتِ حال عظیم ترین چیلنج ہے، جو ملحدین کے سامنے ہے۔ اگر خدا کو نہ مانیں تو اس سوال کا کوئی جواب نہیں ملتا کہ قوانین فطرت کے اندر موزونیت کیوں ہے؟ یعنی وہ انسان کے لیے سازگار کیوں ہیں؟ گرانڈ ڈیزائن کا منصوبہ کہاں سے آیا؟

اس سوال کا نادر جواب ہاکنگ نے فراہم کیا ہے۔ وہ جواب یہ ہے کہ کائنات بھی محض ایک نہیں ہے، بلکہ متعدد ہیں۔ جیسے نظام شمسی بہت سے ہیں، اسی طرح کائنات بھی بہت سی ہیں۔ وہ ہمیں نظر نہیں آتیں اور کبھی نظر آئیں گی بھی نہیں۔ ہاکنگ کہتا ہے کہ ہر کائنات میں کارفرما قوانین الگ الگ ہیں۔ کہیں اجرام کے درمیان کشش ہے، جو انھیں قریب لاتی ہے تو کہیں ایسی کائنات بھی ہوگی جہاں اجرامِ فلکی قریب آنے کے بجائے ایک دوسرے کو دور بھگاتے ہوں گے۔ ان متعدد کائناتی نظاموں میں اتفاقاً ایک کائنات ایسی ہے جس کے قوانین ہمارے لیے (یعنی انسانوں کے لیے اور انسانی زندگی کی بقا کے لیے) سازگار ہیں۔ اسی کائنات میں ہم رہتے ہیں۔ یہی ہم کو نظر آتی ہے، چنانچہ اسی سے واقف ہیں۔ کوئی اور کائنات ہمیں نظر نہیں آتی (اگرچہ موجود ہے) اور کبھی نظر نہیں آئے گی۔ ہاکنگ کا یہ جواب سُن کر پری اور بھوت کے قصے یاد آجاتے ہیں، جو انسانی خیال آرائی کی معراج ہیں، مگر حقیقت کی دنیا سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔

ہاکنگ کا یہ جواب عوامی ابلاغ (سوشل میڈیا) کے ذریعے عام ہوا ہے۔ اس جواب پر بعض تبصرے سامنے آئے۔ سات (۷) تبصرے اس کے حق میں ہیں اور اس سے دوگنے تبصرے اس کے جواب کی تردید میں ہیں۔ تردید کرنے والوں کا کہنا یہ ہے کہ ''اگر نظر نہ آنے والی کائنات کا وجود ہی تسلیم کرنا ہے (اور وہ بھی ایک نہیں، بلکہ ان گنت) تو اس کے مقابلے میں خدا کو ماننا زیادہ آسان ہے۔'' گویا ملحد یہ کہتے ہیں کہ ''عالم وجود میں ان گنت کائناتیں موجود ہیں۔ بغیر مشاہدہ کیے ان کی موجودگی پر ایمان لاؤ، جو ہمیں نظر نہیں آتیں اور کبھی نظر نہیں آئیں گی۔'' ملحدین کے اس قول کو سننے کے بعد غور کرنا چاہیے کہ ''خدا بھی نظر نہیں آتا تو اس کے وجود کو مان لینا زیادہ آسان ہے یہ

نسبت اس کے کہ بلا دلیل متعدد عالَم مان لیے جائیں۔'' واقعہ یہ ہے کہ عظیم منصوبے (Grand Design) کا ادراک الحاد کی حتمی شکست ہے۔ متعدد عالَموں کا جو افسانہ تصنیف کیا گیا ہے، بتاتا ہے کہ ملحدین نے اپنی شکست تسلیم کر لی ہے۔ اب ان کے پاس کوئی استدلال باقی نہیں رہا، جسے وہ الحاد کی تائید میں پیش کر سکیں۔ اب ایک معقول انسان کے لیے ایک ہی راستہ باقی ہے کہ وہ قادر مطلق، خالقِ حقیقی، خدائے وحدہ لاشریک کے وجود پر ایمان لے آئے۔

☆☆☆

قرآن، اہلِ کتاب اور مسلمان

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

قرآنِ کریم میں اہلِ کتاب (یہود ونصاری) کے حالات پر بہت تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ ان پر اللہ تعالیٰ کے انعامات واحسانات، ان کی بداعتقادیوں اور بداعمالیوں کی تفصیلات اور ان کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے دی جانے والی سزاؤں اور تنبیہوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

اہلِ کتاب کے اس مفصل تذکرہ کا مقصد کیا ہے؟ اس میں مسلمانوں کے لیے عبرت ونصیحت کے کون سے پہلو ہیں؟ اور اس سے انہیں کیا رہنمائی ملتی ہے؟ اس کتاب میں ان تمام موضوعات سے بحث کی گئی ہے۔

کتاب پر مولانا سید جلال الدین عمری کا مبسوط اور دقیق مقدّمہ بھی ہے۔

عمدہ کاغذ، آفسیٹ کی حسین طباعت، دیدہ زیب سرورق، **صفحات:** ۲۹۶ **قیمت** =/۷۰ روپے

ملنے کے پتے

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳ علی گڑھ۔ ۲

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز، دعوت نگر ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی۔ ۲۵

اسلام اور ماحولیات کا تحفظ
(۲)

______________مولانا ولی اللہ مجید قاسمی

زمین کی حفاظت اور اس میں گندگی پھیلانے کی ممانعت

اللہ تعالی نے زمین کو انسانوں اور دیگر جان داروں کی رہائش اور کاشت کے لائق بنایا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا (ھود:٦١)

(اسی نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور زمین کو بسانے اور آباد کرنے کی صلاحیت تم میں پیدا کی۔)

اس آیت کی تفسیر میں بعض مفسرین کہتے ہیں کہ انسان کی تخلیق زمینی مادے سے ہوئی ہے۔ جدید سائنس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ انسان جن عناصر سے مرکب ہے وہ سب زمین کی مٹی میں موجود ہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ انسان کی پیدائش زمین سے اس حیثیت سے ہے کہ اس سے پیدا ہونے والی غذا سے مادۂ منویہ اور حیض کا خون تیار ہوتا ہے اور ان دونوں سے انسان کی تخلیق ہوئی ہے۔[۱]

نیز اسی زمین سے ایک اہم عبادت طہارت اور نماز بھی متعلق ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

...وجعلت لی الأرض مسجداً وطهوراً، فأيما رجل من أمتى أدركته الصلاة فليصلّ۔[۲]

(...اور پوری روئے زمین میرے لیے نماز کی جگہ اور پاکی کا ذریعہ بنادی گئی ہے، اس لیے جس جگہ بھی نماز کا وقت ہوجائے، میرا امتی وہاں اسے ادا کرلے۔)

زمین کی اسی خصوصیت کے پیش نظر قرآن حکیم میں چار سو تیس (۴۳۰) مرتبہ اس کا تذکرہ کیا گیا ہے اور اس کی یہ صفات بیان کی گئی ہیں: **فراش** (بستر)، **مھد، مھاد** (بستر)، **قرار** (ٹھہرا ہوا)، **ذلول** (نرم)، **بساط** (بستر)، **کفات** (برتن)۔

زمین کی اس خصوصیت اور اہمیت کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جس مقصد کے لیے بنایا ہے اس میں کسی طرح کی تبدیلی نہ کی جائے۔ زمین میں ایسی کوئی تبدیلی، جس سے اس کی یہ حیثیت متاثر ہو جائے، درحقیقت اس میں بگاڑ پیدا کرنا اور فساد برپا کرنا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِھَا (الاعراف:۵۶)

(اور روئے زمین پر اصلاح کے بعد فساد نہ پھیلاؤ۔)

ابوحیان اندلسیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''اس آیت میں زمین میں فساد پھیلانے سے منع کیا گیا ہے۔ اس میں فساد کی تمام شکلیں داخل ہیں، چاہے اس کا تعلق جسم و جان سے ہو، یا دین و عقل سے، یا نسب اور مال سے۔ 'اصلاح' کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اس طرح سے بنایا ہے کہ وہ مخلوقات کی منفعت اور مکلفین کی مصلحت کے لائق ہے۔ اس سلسلے میں بعض مفسرین نے فساد اور اصلاح کی جو نوعیت متعین کرنے کی کوشش کی ہے وہ بطور مثال ہے، اس لیے کہ ان چیزوں کے ساتھ مخصوص ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔''[۳]

علامہ قرطبیؒ کہتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کے فساد سے منع کیا ہے، چاہے وہ کم ہو یا زیادہ۔ صحیح قول یہی ہے، اس لیے کہ آیت بالکل عام ہے۔''[۴]

ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کی یہ خصلت بیان فرمائی ہے:

وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْھَا وَیُھْلِکَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ (البقرۃ: ۲۰۵)

(جب وہ لوٹ کر جاتا ہے تو زمین میں فساد پھیلانے اور کھیتی اور نسل کی بربادی کی کوشش میں لگا رہتا ہے اور اللہ فساد کو ناپسند کرتا ہے۔)

یعنی زمین میں فساد کا نتیجہ یا فساد کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ کھیتی کو تباہ و برباد کیا جائے، جس کی وجہ سے نسل انسانی وحیوانی تباہی و ہلاکت سے دوچار ہو، کیوں کہ

زمین کا مقصدِ وجود اس کی تعمیر اور اصلاح ہے اور اس میں کسی طرح کی تخریب اور فساد ناروا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا (ھود:٦١)

(وہی ہے جس نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور زمین کو بسانے اور آباد کرنے کی صلاحیت عطا کی۔)

اس آیت کی تفسیر میں حضرت زید بن اسلمؒ کہتے ہیں:

أمركم بعمارة ما تحتاجون اليه فيها من بناء مساكن وغرس الأشجار ۵۔

(اللہ تعالیٰ نے ضرورت کے مطابق گھر بنانے اور درخت لگانے کا حکم دیا ہے۔)

اور بعض مفسرین نے لکھا ہے:

المعنى ألهمكم عمارتها من الحرث والغرس وحفر الأنهار وغيرها۔ ٦۔

(مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کھیتی کرنے، درخت لگانے اور نہر کھودنے کا طریقہ سکھایا ہے۔)

اور 'استعمر کم' کے لفظ سے یہ سمجھا گیا ہے کہ زمین کی تعمیر انسان کے لیے ضروری ہے:

"لأنّ الطلب المطلق من الله تعالىٰ على الوجوب۔ ۷۔

(اللہ تعالیٰ کی طرف سے اگر کسی چیز کا مطلق مطالبہ ہو تو اس سے وجوب مراد ہوگا۔)

اسی بنیاد پر زمخشریؒ نے لکھا ہے کہ تعمیر کی چار قسمیں ہیں: واجب، مستحب، مباح اور مکروہ۔ انہوں نے بیان کیا ہے کہ زمین کی تعمیر لمبی عمر پانے کا سبب ہے، چنانچہ ایرانی حکم رانوں نے خوب درخت لگوائے اور نہریں بنوائیں اور لمبی عمریں پائیں، حالاں کہ وہ رعایا کے ساتھ ظلم کیا کرتے تھے۔ ان کے زمانے کے ایک نبی نے اللہ تعالیٰ سے ان کی درازی عمر کی وجہ معلوم کی تو جواب ملا:

انهم عمروا ابلادی فعاش فیها عبادی۔ ۸۔

(انہوں نے میرے شہروں کو آباد کیا، جس میں میرے بندوں نے رہائش اختیار کی۔)

احادیث میں بھی زمین کی تعمیر اور اسے زندہ رکھنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

من أحیا أرضاً میتۃً فھی لہ۔[۹]

(جو کوئی بے کار زمین کو کارآمد بنادے تو زمین اسی کی ہوجائے گی۔)

ایک دوسری حدیث میں زمین کی تعمیر کی مختلف شکلوں کو صدقۂ جاریہ قرار دیا گیا ہے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

سبعة یجری علی العبد أجرھن من بعد موته فی بزہ، من علم علماً، أو أکری نھراً، او حفر بئراً أو غرس نخلاً او بنی مسجداً أو ورث مصحفاً أو ترک ولداً یستغفر لہ۔[۱۰]

(سات چیزوں کا ثواب مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے: کسی کو علم کی بات بتادے، نہر کھود دے، یا کنواں بنادے، یا درخت لگادے، یا مسجد تعمیر کردے یا قرآن چھوڑ جائے یا اس کی اولاد اس کے لیے مغفرت کی دعا کرے۔)

حدیث میں ایسی چیزوں سے منع کیا گیا ہے جو زمین کی زندگی کو تباہ و برباد اور وہاں رہنے والوں کے لیے دشواری پیدا کرتی ہوں اور تکلیف دہ چیزوں کو زمین سے ہٹانے کا حکم دیا گیا ہے، چنانچہ فرمایا گیا ہے:

الایمان بضع وسبعون شعبةً ،فأفضلھا قول لا الہ الا اللہ وأدناھا إماطة الأذی عن الطریق۔[۱۱]

(ایمان کے ستر (۷۰) سے زیادہ شعبے ہیں، جن میں سب سے افضل لاالہ الا اللہ کہنا ہے اور سب سے کم تر تکلیف دہ چیز کو راستے سے ہٹانا۔)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

یمیط الأذی عن الطریق صدقة۔[۱۲]

(تکلیف دہ چیز کو راستے سے ہٹانا صدقہ ہے۔)

اس میں کوئی شک نہیں کہ جس طرح 'تکلیف دہ چیز' کے مفہوم میں راستے سے اینٹ، پتھر، کانٹا وغیرہ کا ہٹانا شامل ہے، اسی طرح اس میں وہ چیزیں بھی داخل ہیں جو انسانی صحت کے لیے خطرناک یا ضرررساں ہوں۔

ایک روایت میں ہے:

بینما رجل یمشی بطریق وجد غصن شوک علی الطریق فأخّرہ، فشکر اللہ لہ، فغفر لہ۔ ۱۳ے

(ایک شخص کہیں جارہا تھا۔ راستے میں کانٹے دار ٹہنی ملی۔ اس نے اسے ہٹا دیا، جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اس کا عمل قبول کیا اور اس کی مغفرت کردی۔)

مشہور صحابیٔ رسول حضرت ابو برزہ اسلمیؓ نے اللہ کے رسول ﷺ سے درخواست کی: ''اے اللہ کے نبی! مجھے ایسی چیز بتلا دیجیے جس سے مجھے نفع ہو''۔ آپؐ نے جواب دیا:

اعزل الأذی عن طریق المسلمین۔ ۱۴ے

(مسلمانوں کے راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دو۔)

حدیث میں گھر اور صحن کو بھی صاف ستھرا رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

طھّروا أفنیتکم، فانّ الیھود لا تطھّر أفنیتھا۔ ۱۵ے

(صحن کو صاف رکھو، کیوں کہ یہودی صحن کو صاف نہیں رکھتے۔)

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

نظّفوا أفنیتکم، فانّ الیھود أنتن الناس۔ ۱۶ے

(صحن کو صاف رکھو، کیوں کہ یہودی سب سے گندے ہیں۔)

گھر اور صحن کی طرح گزرگاہوں میں بھی گندگی اور آلودگی پھیلانے سے منع کیا گیا ہے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

اتّقوا اللعّانین، قالوا: وما اللّعانان یارسول اللہ؟ قال: الذی یتخلّی فی طریق الناس أو فی ظلّھم۔ ۱۷ے

(لعنت کی دو جگہوں سے بچو۔ لوگوں نے عرض کیا: وہ دو جگہیں کیا ہیں؟ اے اللہ کے رسول! فرمایا: کوئی شخص راستے میں یا سائے

میں قضائے حاجت کرے۔)

ظاہر ہے کہ کوڑا کرکٹ اور گندگی کی وجہ سے بدبو پھیلتی ہے، جس سے لوگ پریشان ہوتے ہیں، اسی طرح یہ بہت سے امراض کے پھیلانے کا ذریعہ بھی بنتی ہے۔ ان گندگیوں میں بیماری کے جراثیم جنم لیتے ہیں اور پھلتے پھولتے ہیں، یہاں تک کہ صرف ایک مکھی انسان میں بیالیس (۴۲) قسم کی بیماریاں منتقل کرسکتی ہے۔ کسی جگہ اگر صرف ایک ہفتے کے لیے کوڑا چھوڑ دیا جائے تو مکھیوں کی پوری فوج تیار ہو سکتی ہے۔

کتبِ فقہ میں راستوں اور عمومی جگہوں پر کسی ایسے عمل کی ممانعت کی متعدد مثالیں ملتی ہیں جن سے دوسروں کو تکلیف یا نقصان پہنچے۔ ۱۸؎ اس سلسلے میں امام غزالیؒ کی درج ذیل تحریر بڑی جامع اور تمام شکلوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ وہ راستوں کے منکرات کے متعلق لکھتے ہیں:

> ''اسی طرح اگر قصاب اپنی دوکان کے سامنے راستہ میں جانور ذبح کرتا ہے، جس کی وجہ سے راستہ خون سے آلودہ ہوجاتا ہے تو یہ بھی ایک منکر ہے۔ اسے ایسا کرنے سے منع کیا جائے گا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی دوکان ہی میں ذبح کرنے کی کوئی صورت نکالے، کیوں کہ اس کی وجہ سے راستے میں تنگی ہوگی، نیز لوگوں پر ناپاک چھینٹے پڑنے کا خطرہ ہے اور اس گندگی کی وجہ سے لوگ گھٹن محسوس کریں گے۔ اسی طرح عام راستوں پر کوڑا یا تربوز کے چھلکے ڈال دینا، یا پانی بہا دینا، جس سے لوگوں کے پھسل جانے کا اندیشہ ہو، یہ بھی ایک منکر ہے۔'' ۱۹؎

اُس زمانے میں اس طرح کی چیزوں سے چند لوگ ہی متاثر ہوتے تھے اور نقصان کا دائرہ بڑا محدود ہوتا تھا۔ آج ایک گھر کی گندگی سے پورا سماج اور ماحول متاثر ہوتا ہے اور نقصان کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا ہے، اس لیے روئے زمین پر آلودگی پھیلانے کا کوئی بھی عمل سخت ناروا ہوگا، کہ اس سے زمین کی زرخیزی متاثر ہوتی ہے اور فضائی اور آبی آلودگی پھیلتی ہے، لہٰذا:

۱۔ جانور ذبح کرنے کے بعد اس کے ناقابل استعمال اجزاء کو کسی کھلی جگہ چھوڑ دینا، جیسا کہ عام طور پر قربانی کے دنوں میں دیکھنے کو ملتا ہے، جائز نہیں، بلکہ اسے

محفوظ طریقے سے ٹھکانے لگانا ضروری ہے۔

۲۔ سامان کی پیکنگ اور حمل ونقل کے لیے ممکن حد تک پلاسٹک کے استعمال سے پرہیز کرنا چاہیے کہ یہ زمینی اور فضائی آلودگی کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔

۳۔ سڑک کے کنارے یا عوامی مقامات پر قضائے حاجت کرنا حرام اور لعنت کا سبب ہے، اسی طرح سے گندا پانی اور فضلات کھلی نالیوں یا گلیوں میں بہانا درست نہیں ہے۔

۴۔ سڑک یا عوامی مقامات پر تھوکنا خلافِ ادب ہے۔ اگر حکومت کی طرف سے اس سلسلے میں کوئی قانون بنایا جاتا ہے تو اس کی پابندی لازمی ہے، چنانچہ متعدد حدیثوں میں مسجد میں تھوکنے سے منع کیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عرضت علیّ أعمال أمتی حسنها وسيئها، فوجدت فی محاسن أعمالها الأذی یحاط عن الطريق، ووجدت في مساوی أعمالها النخامة تكون فی المسجد لا تدفن۔ ۲۰؎

(میرے سامنے میری امت کے اچھے برے اعمال پیش کیے گئے۔ اچھے اعمال میں تکلیف دہ چیزوں کا راستے سے ہٹا دینے کا عمل بھی دکھائی دیا اور برے اعمال میں مسجد میں بلغم ڈالنا، جسے دفن نہ کیا گیا ہو، دکھائی دیا۔)

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

اذا تنخّم أحدكم فی المسجد فليغب نخامته أن تصيب جلد مؤمن وثوبه فتؤذيه۔ ۲۱؎

(جب تم میں سے کوئی مسجد میں بلغم پھینکے تو اسے چھپا دے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ کسی مومن کے جسم یا کپڑے میں لگ جائے، جس سے اسے تکلیف ہو۔)

عوامی جگہوں پر تھوکنا گندگی پھیلانے کا سبب اور لوگوں کی ایذا رسانی کا ذریعہ ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بہت سے امراض کے منتقل ہونے اور پھیلنے کا باعث بھی ہے، خصوصاً اس وقت جب تھوکنے والے کو کوئی متعدی مرض لاحق ہو، یا وہ کوئی نشیلی چیز کھائے ہوئے ہو۔

شجر کاری

اس کائنات کی تمام چیزیں ایک دوسرے سے مربوط ہیں ، بلکہ بہت سی چیزوں کی زندگی ایک دوسرے سے وابستہ ہے، چنانچہ انسان اور حیوانات کے وجود کے لیے درختوں کا ہونا ضروری ہے کہ ان کے ذریعہ آکسیجن حاصل ہوتی ہے، جس کے بغیر زندگی کا تصور ناممکن ہے اور درختوں کے وجود کے لیے حیوانات کا پایا جانا ناگزیر ہے کہ ان کو کاربن ڈائی آکسائڈ کی ضرورت ہے، جو جان داروں کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔

اسی کے ساتھ نباتات انسانی غذا کا سرچشمہ ہیں کہ بلاواسطہ وہ غلّے ، پھلوں اور پھلوں سے، یا بالواسطہ گوشت اور دودھ کے ذریعہ، کیوں کہ ایسے جانور نباتات سے غذا حاصل کرتے ہیں، اس لیے کتاب وسنت میں بھی کھیتی کرنے اور پودے لگانے کی ترغیب دی گئی ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں کھیتی اور باغات کو اللہ کی نعمتوں میں شمار کیا گیا ہے اور اس کا ذکر بطور احسان کیا گیا ہے۔ حدیث میں ہے:

ما من مسلم یغرس غرساً أو یزرع زرعا فیأکل منه طیر أو انسان أو بهیمة الّا کان له به صدقة۔ ۲۲ ؎

(مسلمان جو بھی باغ لگاتا ہے، یا کھیتی کرتا ہے اور اس میں سے کوئی پرندہ، انسان یا مویشی کھالیتا ہے تو یہ اس کے لیے صدقہ ہے۔)

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ام مبشر انصاریہؓ کے باغ میں داخل ہوئے اور ان سے دریافت کیا: اس کھجور کو کس نے لگایا ہے؟ مسلمان نے یا کافر نے؟ ام مبشر نے عرض کیا: مسلمان نے۔ آپؐ نے فرمایا:

لا یغرس مسلم غرساً ولا یزرع زرعاً فیأکل منه انسان ولا دابة ولا شيئ الّا کانت له صدقة۔ ۲۳ ؎

(جو مسلمان کوئی درخت لگاتا ہے اور پھر اس میں سے کوئی انسان یا جانور یا کوئی اور کھالیتا ہے تو وہ اس کے لیے صدقہ ہوتا ہے۔)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: ”حدیث کے ظاہر سے پتہ چلتا ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے کی ملکیت میں بھی کوئی پودا لگا دے تو اسے مذکورہ

ثواب ملے گا، اس لیے کہ حدیث میں ہے کہ وہ باغ ام مبشر کا تھا، اس کے باوجود آپؐ نے پوچھا کہ اسے کس نے لگایا ہے؟ ۲۴؎

علامہ سرخسیؒ کہتے ہیں: ''یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ کھیتی اور باغ کے ذریعہ آمدنی حاصل کرنا مستحب ہے، کیوں کہ یہ اخروی ثواب کا ذریعہ ہے۔ ۲۵؎

حضرت معاذ بن انس جہنیؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

من بنى بنيانًا من غير ظلم ولا اعتداء، أو غرس غرسًا في غير ظلم ولا اعتداء، كان له أجر جار ما انتفع به من خلق الله تعالى۔ ۲۶؎

(جو کوئی ظلم وزیادتی کے بغیر کوئی عمارت بنائے یا درخت لگائے تو جب تک اس سے اللہ کی مخلوق فائدہ اٹھاتی رہے گی، اسے اس کا ثواب ملتا رہے گا۔)

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان قامت الساعة وفي يد احدكم فسيلة فان استطاع ان لا يقوم حتى يغرسها فليفعل۔ ۲۷؎

(اگر قیامت آجائے اور تم میں سے کسی کے ہاتھ میں کھجور کا پودا ہو تو اگر قیامت قائم ہونے سے پہلے وہ اسے گاڑ سکتا ہے تو اسے گاڑ دینا چاہیے۔)

علامہ مناویؒ کہتے ہیں: ''اس حدیث میں درخت لگانے اور نہر بنانے پر خوب ابھارا گیا ہے، تاکہ یہ دنیا قیامت تک آباد اور سرسبز وشاداب رہے، تو جس طرح سے دوسروں نے تمہارے لیے درخت لگائے ہیں، اسی طرح تم بھی اپنے بعد آنے والوں کے لیے درخت لگاؤ، اگرچہ دنیا کی زندگی بہت کم رہ گئی ہو۔ ۲۸؎

حقیقت یہ ہے کہ شجر کاری، کھیتی اور باغبانی سے متعلق اس حدیث میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ مومنانہ فطرت اور طبیعت کا بیان ہے کہ وہ ہر حال میں خیر کا حریص ہوتا ہے اور بھلائی اور فائدہ پہنچانے کا سرچشمہ، جو نہ خشک ہوتا ہے اور نہ رکتا ہے، یہاں تک کہ وہ زندگی کی آخری سانس تک نفع رسانی کی کوشش کرتا ہے۔

حضرت یحییٰ بن آدمؒ نے اپنی کتاب 'الخراج' میں لکھا ہے کہ ایک شخص حضرت علیؓ کے پاس آیا اور کہا: میں ایک ویران زمین پر پہنچا۔ وہاں کے لوگ اسے چھوڑ کر جا چکے تھے۔

میں نے وہاں تک پانی پہنچانے کے لیے نالی بنائی اور اس میں کاشت کاری کی۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: خوش دلی کے ساتھ اس کے غلے کو استعمال کرو، کیوں کہ تم اصلاح کرنے والے ہو، فساد کرنے والے نہیں، تعمیر کرنے والے ہو، تخریب کرنے والے نہیں۔ ۲۹

کھیتی اور باغبانی سے غلّہ اور آمدنی کے ساتھ بعض دوسرے فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں، جیسے ہریالی میں اضافہ، کیوں کہ ہرے پودوں کے ذریعے ماحولیاتی آلودگی میں کمی ہوتی ہے، وہ زہریلی گیس یعنی کاربن ڈائی آکسائڈ کو جذب کرتے ہیں اور جان داروں کی زندگی کے لیے مطلوب گیس یعنی آکسیجن فراہم کرتے ہیں، ان کے ذریعہ آندھی، طوفان اور گرد وغبار میں کمی آتی ہے، اور بارش ہوتی ہے۔ اسی بنیاد پر درختوں کو بلاوجہ کاٹنے سے منع کیا گیا ہے۔ مفسّر ضحاک آیت: وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا۔ الاعراف: ۵۶ (اصلاح کے بعد زمین میں فساد نہ پھیلاؤ۔) کی تفسیر میں کہتے ہیں:

"اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ پانی کے چشمے کو بند نہ کرو اور کسی پھل دار درخت کو ضرر پہنچانے کے مقصد سے نہ کاٹو۔ ۳۰

حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من قطع سدرۃً صوّب اللّٰہ رأسہ فی النار۔ ۳۱

(جو کوئی بیری کے درخت کو کاٹے گا تو اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں جھونک دے گا۔)

امام ابو داؤدؒ کہتے ہیں: "حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو کوئی بلاوجہ صحرا میں موجود بیری کے درخت کو کاٹ دے، جس کے سایے میں انسان اور جانور پناہ لیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ اسے سیدھے جہنم میں ڈال دے گا۔ ۳۲

علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں: "میرے خیال میں یہ حدیث اس صورت پر محمول ہے جب کہ بیری کے درخت کو بلا فائدہ کاٹا جائے، اگرچہ وہ اس کی ملکیت میں ہو۔ ۳۳

ملا علی قاریؒ وضاحت کرتے ہیں: "حدیث میں خاص طور سے بیری کے درخت کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ دوسرے درختوں کی بہ نسبت اس کے سایے میں زیادہ ٹھنڈک ہوتی ہے، لیکن مذکورہ وعید صرف اسی کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ تمام سایہ دار درختوں کا یہی حکم ہے، جن کے سایے میں انسان اور جانور پناہ لیتے ہوں۔ ۳۴

حضرت ابوبکرؓ فوجیوں کو روانہ کرتے ہوئے یہ نصیحت کیا کرتے تھے:

ولا تخربوا عمراناً ولا تقطعوا شجرۃ الّا لنفع، ولا تعقّرن بھیمۃ الا لنفع۔ ۳۵ ؎

(آبادی کو ویران مت کرنا، بے فائدہ کسی درخت کو نہ کاٹنا اور نہ بے فائدہ کسی جانور کو ذبح کرنا۔)

اسی بنیاد پر جنگ کے موقع پر درخت کاٹنے کے لیے فقہاء نے یہ شرط لگائی ہے:

ھذا اذا لم یغلب علی الظن انھم مأخوذون بغیر ذلک، فان کان الظاھر أنھم مغلوبون، وان الفتح بادٍ کرہ ذلک، لأنہ إفساد فی غیر محل الحاجۃ وما أبیح الا لھا۔ ۳۶ ؎

(درخت کاٹنے کی اجازت اس وقت ہے جب ظن غالب ہو کہ دشمن پر اس کے بغیر قابو نہیں پایا جا سکتا ہے، لیکن اگر بظاہر معلوم ہو کہ وہ شکست کھانے والے ہیں اور فتح بالکل قریب ہے تو درخت کاٹنا مکروہ ہے، کیوں کہ یہ بے ضرورت برباد کرنا ہے اور درخت کاٹنے کی اجازت ضرورت کی بنیاد پر دی گئی ہے۔)

حیوانات کی حفاظت

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو انتہائی اعتدال اور توازن پر قائم کر رکھا ہے۔ ہماری بے اعتدالی اور بے احتیاطی سے اس کائنات کی تمام چیزیں متاثر ہوتی ہیں۔ غور کیجیے کہ اگر جان دار چیزوں کی بہتات ہو جائے تو وہ آکسیجن کو ختم کر دیں گے، ساتھ ہی زہریلی گیس خارج کر کے ماحول کو آلودہ بنا دیں گے، نیز وہ جانور جو سبزی خور ہوں گے وہ اپنی خوراک حاصل کرنے کے لیے ہریالی میں مزید کمی کریں گے، اور اگر ہریالی زیادہ ہو جائے تو انہیں زندہ رہنے کے لیے زیادہ مقدار میں کاربن ڈائی آکسائڈ کی ضرورت ہوگی، جو کم تعداد میں موجود جانور مہیا نہیں کر پائیں گے۔ اسی کے ساتھ فضا میں آکسیجن کی مقدار بڑھ جائے گی، جس کی وجہ سے ہرے پودوں کے بڑھنے کا عمل سست پڑ جائے گا۔ کائنات میں موجود اسی توازن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن حکیم میں کہا گیا ہے:

وَ اَنۡۢبَتۡنَا فِیۡهَا مِنۡ كُلِّ شَیۡءٍ مَّوۡزُوۡنٍ۔ (الحجر:۱۹)

(اور ہم نے ہر چیز ایک متعین اور موزوں مقدار میں اگادی۔)

دوسری آیت میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے فائدے ہی کے لیے جانوروں کو پیدا کیا ہے:

وَ الۡاَنۡعَامَ خَلَقَهَا لَكُمۡ۔ (النحل:۵)

(اور مویشیوں کو اس نے تمہارے فائدے کے لیے پیدا کیا ہے۔)

قرآن کریم میں بتایا گیا ہے کہ جانور اور پرندے انسانوں کی طرح ایک جان دار گروہ ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

وَمَا مِنۡ دَآبَّةٍ فِی الۡاَرۡضِ وَلَا طٰٓئِرٍ یَّطِیۡرُ بِجَنَاحَیۡهِ اِلَّاۤ اُمَمٌ اَمۡثَالُكُمۡ (الانعام:۳۸)

(اور جتنے قسم کے جان دار زمین پر چلنے والے ہیں اور جتنے قسم کے پرندے ہیں جو اپنے دونوں پروں سے اڑتے ہیں، ان میں سے کوئی قسم ایسی نہیں ہے جو کہ تمہاری طرح گروہ نہ ہوں۔)

اس آیت کی تشریح میں علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں: ''یہ بھی تمہاری طرح کے گروہ ہیں، جنہیں اللہ نے پیدا کیا ہے، ان کی روزی کی ضمانت لی ہے اور ان کے سلسلے میں عد ل وتوازن کا خیال رکھا ہے، لہٰذا ان پر ظلم کرنا اور ان کے سلسلے میں جو حکم دیا گیا ہے اس سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے۔ ۳۷ بلاضرورت جانوروں کو تکلیف پہنچانا باعثِ عذاب ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

عذّبت امرأة فی هرّة حبستها حتی ماتت جوعاً، فدخلت فیها النار۔ ۳۸

(ایک عورت نے ایک بلّی کو بند کر رکھا تھا، چنانچہ وہ بھوک کی وجہ سے مرگئی تو اسے اس کی سزا ملی اور جہنم میں داخل کردی گئی۔)

علامہ نوویؒ کہتے ہیں: ''حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عورت مسلمان تھی اور بلّی کو ستانے کی وجہ سے جہنم میں داخل ہوئی۔'' ۳۹ اور حافظ ابن حجرؒ

وضاحت کرتے ہیں: ''بلّی کی طرح دوسرے جانوروں کا بھی یہی حکم ہے۔ ۴۰؎ بلکہ علامہ شوکانیؒ لکھتے ہیں: ''جب بلّی کے سلسلے میں یہ حکم ہے تو وہ جانور جو کسی کی ملکیت میں ہوں، ضرور اس حکم میں شامل ہوں گے، کیوں کہ وہ مالک کے فائدے کے لیے باندھ کر رکھے گئے ہیں۔ ۴۱؎ علامہ نوویؒ کہتے ہیں: ''اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جانور کو کھلانا پلانا اس کے مالک پر فرض ہے۔'' ۴۲؎

جانوروں کے سلسلے میں اسلام کس درجہ حساس ہے، اس کا کچھ اندازہ درج ذیل حدیث سے بھی لگایا جا سکتا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اذا سافرتم فی الخصب فاعطوا الابل حظّها من الأرض، واذا سافرتم فی السنة فأسرعوا علیها السیر واذا عرستم اللیل فاجتنبوا الطریق فانّها مأوی الهوام باللیل۔ ۴۳؎

(جب تم سرسبز راستے میں سفر کرو تو اونٹ کو راستے میں چرنے کا موقع دو اور جب خشک سالی میں سفر کرو تو جلدی سے وہاں سے گزر جاؤ، اور جب تم رات میں پڑاؤ ڈالو تو راستے سے ہٹ جاؤ، کیوں کہ وہ کیڑوں مکوڑوں کا ٹھکانہ ہے۔)

اس حدیث کی شرح میں علامہ مناویؒ لکھتے ہیں: ''جانور اور کیڑے مکوڑے انسانی راستوں پر رات میں آتے ہیں، تاکہ گزرنے والوں کے ذریعہ کھانے کی جو چیزیں گر گئی ہیں انہیں اپنی غذا بنالیں۔ ۴۴؎ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں وہاں پڑاؤ ڈالنے سے ان کو وہاں سے اپنی غذا حاصل کرنے میں پریشانی ہوگی۔ اس حدیث میں جانوروں کے سلسلے میں جس دقّت نظری اور رحم و کرم کا مظاہرہ کیا گیا ہے، کسی دوسرے مذہب میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ ایک حدیث میں جانور پر ترس کھانے کی وجہ سے جنت کی بشارت سنائی گئی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

بینما رجل یمشی فاشتدّ علیه العطش، فنزل بئراً فشرب منها ثم

خرج، فاذا هو بكلب يلهث يا كل الثرى من العطش، فقال: لقد بلغ هذا مثل الذى بلغ بى، فملأ خفه ثم أمسكه بفيه ثم رقى فسقى الكلب، فشكر الله فغفر له، قالوا: يارسول الله! ان لنا فى البهائم أجرا، قال: فى كل كبد رطبة أجر" ۴۴؎

(ایک آدمی کہیں جا رہا تھا۔ اسے پیاس لگی۔ اس نے ایک کنوئیں میں اتر کر اپنی پیاس بجھائی۔ باہر نکلا تو دیکھا کہ ایک کتا ہانپ رہا ہے اور پیاس کی وجہ سے کیچڑ چاٹ رہا ہے۔ اس نے کہا کہ اس کتے کو بھی اسی طرح پیاس لگی ہے جیسے مجھ کو لگی تھی۔ اس نے کنوئیں میں اتر کر اپنے موزے میں پانی بھرا اور لا کر کتے کو پلایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے اس عمل کی وجہ اس کی مغفرت کر دی۔ صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا جانور کی وجہ سے بھی ثواب ملے گا؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں، ہر جگر والے کی وجہ سے ثواب ملے گا۔) ۴۵؎

اس سلسلے کی بعض روایتوں میں کہا گیا ہے کہ پیاسے کتے کو پانی پلانے والی ایک بدکار عورت تھی۔ اللہ تعالیٰ کو اس کا یہ عمل اتنا پسند آیا کہ اس کی مغفرت کر دی گئی۔ کتبِ فقہ میں اس سلسلے کی بڑی حیرت انگیز مثالیں ملتی ہیں۔ چنانچہ حاشیہ دسوقی میں ہے کہ اگر کسی بلی کی بینائی ختم ہو جائے تو گھر کے مالک کے لیے اسے کھلانا پلانا ضروری ہے، جب کہ وہ وہاں سے جانے پر قادر نہ ہو اور اگر قادر ہو تو پھر کھلانا پلانا ضروری نہیں ہے۔ ۴۶؎

جانوروں کو بلا وجہ ستانے اور مارنے سے منع کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

ما من انسان قتل عصفوراً فما فوقها بغير حقّها الّا سأله اللّٰه منها، قيل: يا رسول الله! وما حقها؟ قال يذبحها فيأكلها، ولا يقطع رأسها يرمى بها۔ ۴۷؎

(جو کوئی کسی گوریا یا اس سے چھوٹے پرندے کو ناحق مار دے تو اللہ تعالیٰ اس سے پوچھ گچھ کریں گے۔ عرض کیا گیا کہ اس کا حق کیا ہے

؟ فرمایا: اسے ذبح کر کے کھائے۔ ایسا نہ کرے کہ سر کاٹ کر پھینک دے۔)

اسی بنیاد پر تمام فقہاء اس پر متفق ہیں کہ ایسے کیڑے مکوڑے کو مارنا مکروہ ہے جو نقصان نہ پہنچائے، بلکہ فقہ حنفی میں اس سلسلے میں بڑی دقت نظر پائی جاتی ہے۔ چنانچہ فقہائے حنفیہ کہتے ہیں کہ چیونٹی کو اسی وقت مارنا درست ہے جب وہ کاٹ لے۔ اس سے پہلے مارنا مکروہ ہے۔ ۴۸؎

علامہ شامی لکھتے ہیں:

طرح القمل فی المسجد ان کان میتا حرم لنجاستہ، وان کان حیا ففی کتب المالکیة کذلک، لأن فیہ تعذیباً لہ بالجوع۔ ۴۹؎

(مرے ہوئے جوں کو مسجد میں پھینکنا حرام ہے، کیوں کہ وہ ناپاک ہے اور زندہ جوں کو بھی مسجد میں چھوڑنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ فقہ مالکی کی کتابوں میں ہے، کیوں کہ اس صورت میں اسے بھوکا رکھ کر ستانا ہے۔)

اور فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

قتل الزنبور والحشرات ھل یباح فی الشرع ابتداء من غیر ایذاء وھل یثاب علی قتلھم؟ قال: لا یثاب علی ذلک، وان لم یوجد منہ الایذاء فالأولی أن لا یتعرض بقتل شیئ منہ۔ ۵۰؎

(کیا بھڑ یا کیڑے مکوڑے کو کاٹنے سے پہلے مارنا جائز ہے؟ اور کیا اس کے مارنے پر کوئی ثواب ہے؟ کہا: نہیں، اس کے مارنے پر کوئی ثواب نہیں، اور اگر وہ تکلیف نہ دے تو بہتر ہے کہ اسے مارا نہ جائے۔)

فقہ اسلامی میں چیونٹی، مچھر، جوں وغیرہ کے سلسلے میں جو تفصیلات ملتی ہیں اس سے جانوروں کے تعلق سے لطف و مہربانی اور رحمت ورافت اور نرمی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سب اللہ کی مخلوقات اور ذی روح ہیں۔ ان کے ساتھ بہتر سلوک انسانیت کا تقاضا ہے اور برا سلوک قساوت قلبی اور بے رحمی کی دلیل ہے۔ تمام

جانور اس حدیث کے عموم میں شامل ہیں جس میں روئے زمین پر رہنے والوں پر رحم کرنے کی صورت میں آسمان والے کے رحم کی بشارت سنائی گئی ہے۔ ایک حدیث میں خصوصیت کے ساتھ کہا گیا ہے:

والشاۃ ان رحمتھا رحمک اللہ۔۵۱؎

(اگر تم بکری پر رحم کروگے تو اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے گا۔)

اللہ تعالیٰ نے جانوروں کو بے مقصد نہیں پیدا کیا ہے، بلکہ ان سے کائنات کا مفاد وابستہ ہے، اس لیے حکمتِ الٰہی کا تقاضا ہے کہ تمام جانوروں کی نسل برقرار رہے۔ لہٰذا ہمیں جانوروں کی نسل کو برقرار رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے اور کسی ایسے عمل سے بچنا چاہیے جس سے ان کے کم یا ختم ہونے کا خطرہ پیدا ہو جائے، کیوں کہ ماحولیاتی تحفظ میں پرندوں اور کیڑے مکوڑوں کا بھی بڑا حصہ ہے۔

صوتی آلودگی

آواز میں بھی توازن اور اعتدال برقرار رکھنا ضروری ہے۔ حدِّ اعتدال سے زیادہ آواز ذہنی اور جسمانی صحت کے لیے نقصان دہ ہے۔ اس سے طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں، جیسے قوت سماعت میں کمی، چڑچڑاہٹ، ذہنی تناؤ میں اضافہ، بے خوابی، دل کے امراض، ہاضمے کی خرابیاں، بلڈ پریشر اور بلڈ شوگر وغیرہ۔

بے وجہ اور بے ضرورت چیخنا اور چلانا کسی انسان کے لیے خوبی نہیں، بلکہ عیب ہے۔ ماضی میں اور آج بھی عام طور پر یہ ذہنیت پائی جاتی ہے کہ بلند آواز سے بولنا مردانگی اور بہادری کی علامت اور معتدل آواز سے بولنا بزدلی اور پستی کی نشانی ہے۔ قرآن مجید میں اس ذہنیت اور فکر کی تردید کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ اگر تیز آواز سے بولنا کوئی پسندیدہ صفت ہوتی تو گدھے کی آواز سب سے اچھی آواز سمجھی جاتی، حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِکَ اِنَّ اَنْکَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ۔

(لقمان:۱۹)

(اور اپنی آواز کو ذرا پست رکھ۔سب آوازوں میں سب سے ناپسندیدہ آواز گدھے کی ہوتی ہے۔)

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں علامہ ابن کثیرؒ کہتے ہیں: ''بے فائدہ اپنی آواز کو بلند نہ کرو۔آیت میں بلند آواز کو گدھے کی آواز سے تشبیہ دینے کا تقاضا یہ ہے کہ ایسا کرنا حرام اور حد درجہ لائق مذمت ہو۔'' ۵۲؎ علامہ قرطبیؒ کہتے ہیں: ''خواہ مخواہ آواز بلند نہ کرو، ضرورت کے بقدر بلند کرو، کیوں کہ ضرورت سے زیادہ بلند آواز سے بولنا تکلیف کا سبب ہے۔ ۵۳؎ شیخ وہبہ زحیلیؒ کہتے ہیں: ''تیز آواز سے بولنا قوتِ سماعت کے لیے نقصان دہ ہے۔'' ۵۴؎

نماز اور ذکر جیسی اہم عبادات میں بھی آواز کو پست رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَجۡهَرۡ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتۡ بِهَا وَابۡتَغِ بَيۡنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا

(الاسراء:۱۱۰)

(نہ تو اپنی نماز بہت آواز سے پڑھ اور نہ بالکل خاموشی سے، بلکہ اس کے درمیان کا راستہ تلاش کر۔)

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے ہم راہ ایک سفر میں تھے۔ جب ہم کسی وادی میں پہنچتے تو بلند آواز میں اللہ اکبر اور لا الٰہ الا اللہ کہتے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

یا أیها الناس! اربعوا علی أنفسکم، فانکم لا تدعون غائباً ولا أصم، انه معکم، انه سمیع قریب۔ ۵۴؎

(لوگو! سکون اور آرام سے رہو، تم کسی غائب اور بہرے کو نہیں پکار رہے ہو، بلکہ وہ تمہارے ساتھ ہے اور سننے والا اور تم سے بالکل قریب رہنے والا ہے۔)

حضرت ابو قتادہؓ بیان کرتے ہیں:

''نبی ﷺ ایک رات باہر نکلے۔دیکھا کہ ابو بکرؓ پست آواز میں نماز تہجد پڑھ

رہے ہیں اور حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ وہ بلند آواز میں پڑھ رہے ہیں۔ صبح کے وقت جب دونوں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا: ابوبکر! میں تمہارے پاس سے گزرا تو دیکھا کہ تم پست آواز میں تلاوت کر رہے ہو۔ انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ! جس ذات سے میں سرگوشی کر رہا تھا وہ سن رہا تھا۔ آپؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا: تمہارے پاس سے گزرا تو تم بلند آواز سے پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے عرض کیا: میں سونے والوں کو جگا رہا تھا اور شیطان کو بھگا رہا تھا۔ آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا: تم اپنی آواز قدرے بلند کرو اور حضرت عمرؓ سے فرمایا: تم اپنی آواز قدرے پست کرو'' ۔۵۶؎

حضرت ابوسعیدؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ مسجد میں اعتکاف کیا تو دیکھا کہ لوگ بلند آواز سے قرآن پڑھ رہے ہیں۔ آپؐ نے پردہ اٹھایا اور فرمایا:

ألا ، انّ کلّکم مناجٍ ربّه، فلا یؤذین بعضکم بعضاً ولا یرفع بعضکم علی بعض فی القراءة۔ ۵۷؎

(تم سب اپنے رب سے گفتگو کر رہے ہو، اس لیے ایک دوسرے کو پریشان نہ کرو اور بلند آواز سے قرآن نہ پڑھو۔)

خود اللہ کے رسول ﷺ کی صفت توریت وغیرہ میں یہ بیان کی گئی تھی:

ولا صخّاباً بالأسواق ۵۸؎

(اور آپؐ بازاروں میں بہت زیادہ شور وغل کرنے والے نہ ہوں گے۔)

حضرت قیس بن عبادؒ کہتے ہیں: ''صحابہ کرامؓ ذکر، لڑائی اور جنازہ میں بلند آواز کو ناپسند کیا کرتے تھے'' ۔۵۹؎

ان احادیث کی روشنی میں فقہائے کرام نے لکھا ہے: ''جماعت کے اعتبار سے آواز کو بلند کرنا واجب ہے، اس سے زیادہ غلط ہے'' ۔۶۰؎

علامہ شامیؒ کہتے ہیں: اتنی بلند آواز جو خود آدمی کو تھکا دے اور دوسروں کے لیے تکلیف کا ذریعہ ہو، بہتر نہیں ہے۔۶۱؎ کتبِ فقہ میں یہ مسئلہ بھی موجود ہے کہ اگر کوئی شخص تہجد کی نماز میں اتنی بلند آواز سے قرآن پڑھتا ہے جس سے کسی کی نیند خراب

ہوتی ہو تو یہ جائز نہیں ہے۔اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے گھر کی چھت پر بلند آواز سے تلاوت کرے، جب کہ لوگ سو رہے ہوں تو تلاوت کرنے والا گنہ گار ہوگا۔ ٦٢ ؎

عمر بن شیبہؒ نے نقل کیا ہے کہ ایک واعظ حضرت عائشہؓ کے مکان کے بالکل سامنے بلند آواز سے وعظ کیا کرتا تھا، جس سے حضرت عائشہؓ کی یکسوئی میں فرق آتا تھا۔ انہوں نے حضرت عمرؓ سے اس کی شکایت کی۔ انہوں نے اسے وعظ کرنے سے منع کر دیا، لیکن کچھ عرصے کے بعد اس نے دوبارہ شروع کر دیا۔حضرت عمرؓ کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے ان کو اس سزا دی۔ ٦٣ ؎

ان آیات و روایات اور فقہی عبارتوں کی روشنی میں کہا جائے گا کہ کارخانوں وغیرہ کی پرُشور مشینوں کو اگر حکومت کی طرف سے آبادی سے باہر لگانے کی ہدایت کی جاتی ہے تو شرعاً اس کی تعمیل ضروری ہے۔

بے ضرورت گاڑیوں کا ہارن بجانا، نیز ایمبولنس کی طرح سائرن لگانا درست نہیں ہے کہ اس سے صوتی آلودگی پھیلتی ہے اور دوسروں کو تکلیف پہنچتی ہے۔

تقریبات یا جلوس وغیرہ کے موقع پر ڈی جے (DJ) کا استعمال ناجائز ہے، کیوں کہ وہ مزامیر میں شامل ہے، نیز اس سے صوتی آلودگی پھیلتی ہے اور لوگوں کو، خصوصاً مریضوں کو اس سے بڑی کوفت ہوتی ہے، بلکہ اس کی وجہ سے ہارٹ اٹیک کے واقعات بھی رونما ہوئے ہیں۔

اگر حکومت کی طرف سے مذہبی ، سیاسی جلسوں اور مشاعروں کی آواز وغیرہ میں کوئی تحدید عائد کی جاتی ہے تو شرعاً اس کی پابندی ضروری ہے۔

(نوٹ: راقم نے اپنی کتاب 'صحت ومرض اور اسلامی تعلیمات' [ناشر مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، ۲۵، طبع چہارم] میں ماحول کے تحفظ اور اسے آلودگی سے پاک صاف رکھنے پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ اس سے بھی اس موضوع پر اسلام کا موقف سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ جلال الدین)

حواشی ومراجع

۱۔ ملاحظہ کیجیے: الدرالمنثور: ۴/ ۴۴۴، البحرالمحیط: ۵/ ۲۳۹
۲۔ صحیح البخاری: ۳۲۸ وغیرہ ۳۔ البحرالمحیط: ۴/ ۳۱۳ ۴۔ الجامع لاحکام القرآن: ۷/ ۲۲۶
۵۔ حوالہ سابق: ۹/ ۵۶ ۶۔ الجامع لاحکام القرآن: ۹/ ۵۶ ۷۔ حوالہ سابق
۸۔ الکشاف: ۳/ ۱۰۱ ۹۔ سنن أبی داؤد: ۳۰۷۳، مسند احمد: ۱۴۳۱۰
۱۰۔ مسند البزار: ۹۲۸۷، سنن ابن ماجۃ: ۲۴۲ ۱۱۔ صحیح مسلم: ۵۸ وغیرہ
۱۲۔ صحیح البخاری: ۲۸۲۷ ۱۳۔ صحیح البخاری: ۲۳۴ ۱۴۔ صحیح مسلم: ۲۶۱۸
۱۵۔ المعجم الاوسط: ۴/ ۲۳۱ ۱۶۔ جامع الترمذی: ۲۷۹۹، مسند أبی یعلی: ۷۹۰
۱۷۔ صحیح مسلم: ۲۶۹ ۱۸۔ ملاحظہ کیجئے الفتاوی الھندیۃ: ۶/ ۴۰ - ۴۱ ۱۹۔ احیاء علوم الدین: ۲/ ۳۳۹
۲۰۔ صحیح مسلم: ۵۵۳ ۲۱۔ مسند أحمد: ۱۵۴۳
۲۲۔ صحیح البخاری: ۲۱۹۵، صحیح مسلم: ۱۵۵۲ ۲۳۔ صحیح مسلم: ۱۵۵۲
۲۴۔ فتح الباری: ۵/ ۴ ۲۵۔ المبسوط: ۲۳/ ۲۴
۲۶۔ مسند احمد: ۱۵۶۵۴، المعجم الکبیر: ۱۷۱۶۷ ۲۷۔ مسند احمد: ۱۳۰۰۴، الأدب المفرد للبخاری: ۴۷۹
۲۸۔ فیض القدیر: ۳/ ۴۰ ۲۹۔ الخراج: ۹۹ ۳۰۔ الجامع لاحکام القرآن: ۷/ ۲۲۶
۳۱۔ سنن ابی داؤد: ۵۲۳۹ ۳۲۔ سنن أبی داؤد: ۵۲۳۹ ۳۳۔ روح المعانی: ۲۲/ ۱۲۸
۳۴۔ مرقاۃ المفاتیح: ۹/ ۴۲۳ ۳۵۔ مؤطا، امام مالک: ۹۶۵ ۳۶۔ فتح القدیر: ۵/ ۴۴۷
۳۷۔ الجامع الاحکام القرآن: ۴/ ۴۱۹
۳۸۔ صحیح البخاری: ۶۲۲۳، صحیح مسلم: ۲۲۴۲ ۳۹۔ المنہاج: ۶/ ۲۰۷
۴۰۔ فتح الباری: ۶/ ۳۵۸ ۴۱۔ نیل الأوطار: ۷/ ۹۱ ۴۲۔ المنہاج: ۶/ ۲۰۷
۴۳۔ صحیح مسلم: ۱۹۲۶، وغیرہ ۴۴۔ التیسیر شرح الجامع الصغیر للمناوی: ۱/ ۲۰۵
۴۵۔ صحیح البخاری: ۲۲۳۴، صحیح مسلم: ۲۲۴۴ ۴۶۔ حاشیہ الدسوقی: ۲/ ۵۲۲
۴۷۔ سنن النسائی: ۴۳۴۹، مسند احمد: ۶۵۵۰ ۴۸۔ البحر: ۸/ ۲۳۲، الھندیۃ: ۵/ ۳۶۱
۴۹۔ ردالمحتار: ۱/ ۶۵۳ ۵۰۔ الفتاوی الھندیۃ: ۵/ ۳۶۱ ۵۱۔ مسند احمد: ۵۶۳۰
۵۲۔ تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۱۸۱۱ ۵۳۔ الجامع لاحکام القرآن: ۱۶/ ۴۸۳
۵۴۔ التفسیر المنیر: ۱۱/ ۱۶۶ ۵۵۔ صحیح البخاری: ۲۹۹۲ ۵۶۔ سنن أبی داؤد: ۱۳۲۹
۵۷۔ سنن أبی داؤد: ۱۳۳۲ ۵۸۔ سنن دارمی: ۵ ۵۹۔ عمدۃ القاری: ۱۴/ ۲۴۵
۶۰۔ الدرّ المختار مع ردّالمحتار: ۲/ ۴۹ ۶۱۔ ردّالمحتار: ۲/ ۲۴۹، از اسلام اور جدید فکری مسائل: ۲۸۲
۶۲۔ خلاصۃ الفتاوی: ۱/ ۱۰۳، ردّالمحتار: ۳۰۴، از ذکر وفکر، ص: ۲۸

بحث ونظر

عورت سے متعلق بعض احادیث کا مطالعہ

(سیاق وسباق کی روشنی میں)

محترمہ سمیعہ نازش

مترجم: مولانا محمد شعیب ندوی

احادیث رسول ﷺ کا تحقیقی مطالعہ کرتے وقت ضروری ہے کہ ان میں باہمی ربط، سیاق وسباق اور مفہوم و مدعا کو پیش نظر رکھا جائے۔ کیوں کہ کسی عبارت کو سمجھنے کے لیے سیاق وسباق اور پس منظر کا کلیدی رول ہوتا ہے۔ اسی صورت میں اس کا صحیح فہم حاصل ہوسکتا ہے اور کلام کی غرض و غایت بخوبی واضح ہوسکتی ہے۔ اس سے احادیث نبوی ﷺ پر ہونے والے اعتراضات کا ازالہ ہوجائے گا، شکوک وشبہات رفع ہوجائیں گے اور اشکالات کا خاتمہ ہوجائے گا۔ عورت سے متعلق وارد احادیث پر بہت سے اعتراضات و اشکالات کیے گئے ہیں۔ اس مقالے میں سیاق وسباق کی روشنی میں ان کا مطالعہ کیا جائے گا۔ اس ضمن میں درج ذیل سوالات کے جوابات تلاش کرنے کی کوشش کی جائے گی:

(۱) سیاق کا مفہوم کیا ہے؟ اور کیا نص کے معنی مراد سمجھنے میں اس کا کوئی کردار ہے؟

(۲) حدیث نبوی کے بلاغی پہلو میں سیاق کی کیا اہمیت ہے؟

(۳) کیا موقع ومحل کی تبدیلی سے نصوص کے معانی ومفاہیم بدل جاتے ہیں؟

(۴) نص کے فہم اور اس سے استنباط میں سیاق کو نظر انداز کرنے کے کیا نتائج برآمد ہوتے ہیں؟

اس مقالے میں عورت سے متعلق سات (۷) اعتراضات وشبہات کا مطالعہ کیا جائے گا۔ یہ اعتراضات جن احادیث پر مبنی ہیں، وہ صحیح بخاری میں آئی ہیں۔

سیاق کا مفہوم اور اس کی بلاغی اہمیت

سیاق کا مادہ 'س وق' ہے، جس کے معنی ہیں چلانا۔ عربی زبان میں بازار کو سوق کہتے ہیں، کیوں کہ تمام اشیاء اس کی طرف کھینچ کر جاتی ہیں۔[۱]

علامہ زمخشریؒ فرماتے ہیں: '**تساوقت الابل**' کا مطلب ہے اونٹوں کا ترتیب وار صف در صف چلنا۔ پھر اس لفظ کا استعمال کلام کے لیے ہونے لگا۔ **هو يسوق الحديث أحسن سياق** (وہ بہت ہی مرتب انداز سے بات کرتا ہے)۔[۲]

اصطلاحی طور پر سیاق کے معنیٰ میں اور بھی الفاظ کا استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً حال، دلیل، قرینہ، مقام، موقف وغیرہ۔ ابن دقیقؒ العید فرماتے ہیں: سیاق متکلم کے معنیٰ مراد پر دلالت کرتا ہے، اس کے کلام کے اجمال کی تفصیل اور احتمال کی تعیین کرتا ہے۔[۳]

بعض معاصرین نے سیاق کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے: ''سیاق مربوط جملوں کے تعلق کو واضح کرنے کی اہم بنیاد ہے۔ یہ ایک جز کا دوسرے اجزا سے باہمی ربط بتانے کی اساس ہے۔ سیاق صرف جملوں کی ہی غرض وغایت کو ظاہر نہیں کرتا، بلکہ وہ مفرد الفاظ کے باہمی ربط کی طرف بھی رہ نمائی کرتا ہے۔''[۴]

سیاق کی دو قسمیں ہیں: (۱) سیاق المقال (۲) سیاق المقام۔ سیاق المقال کا مطلب یہ ہے کہ صوتی، صرفی ونحوی اور لغوی مباحث کو پیش نظر رکھا جائے، الفاظ، جملوں، فقروں اور کلام کے اجزا کا مطالعہ کیا جائے، کیوں کہ ایک لفظ دوسرے الفاظ سے مل کر اپنے معنی ادا کرتا ہے اور یہ صرف ایک ہی جملے میں نہیں ہوتا، بلکہ بسا اوقات جملوں، صفحات، فصول، ابواب، بلکہ پوری کتاب یا پوری سورت کو سامنے رکھ کر مفہوم متعین ہوتا ہے۔ سیاق المقام سے مراد ان احوال و کوائف سے واقفیت حاصل کرنا ہے جن میں کوئی بات کہی گئی ہے، یا نص وارد ہوئی ہے، کیوں کہ نص پر متعدد عناصر اثر انداز

ہوتے ہیں: ایک متکلم، دوسرا مخاطب، تیسرا کلام کا موضوع اور اس کی غرض و غایت، چوتھا زمان ومکان۔ پانچواں ماحول۔

متقدمین علمائے بلاغت نے اپنی تحقیقات میں سیاق وسباق کی بلاغی اہمیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مشہور مقولہ ہے: **لکل کلمۃ مع صاحبتھا مقام** ۵ (ہر لفظ کا ایک دوسرے لفظ کے ساتھ مل کر ایک موقع ومحل ہوتا ہے۔) اس میں لغوی اور غیر لغوی دونوں سیاقوں کی طرف اشارہ موجود ہے۔ ایک اور مختصر مقولہ ہے: **لکل مقام مقال** ۶ (ہر جگہ کی مناسبت سے ایک بات ہوتی ہے۔) جگہ سے مراد وہ تمام حالات اور پس منظر ہے جس میں وہ بات کہی جا رہی ہے۔ اگر کسی نص کے سیاق وسباق کا اعتبار نہ کیا جائے تو بسا اوقات نص کے فہم میں غلطی کا امکان رہتا ہے، خواہ یہ غلطی مکمل نص کو سمجھنے میں ہو یا جزوی طور پر۔ اس بات کو ملحوظ رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل جہات سے سیاق کی اہمیت واضح ہوتی ہے:

۱۔ پورا قرآن، اسی طرح حدیث کا پورا مجموعہ ایک لفظ کی طرح ہے۔ چنانچہ ایک آیت سے کوئی مفہوم دوسری آیت کو نظر انداز کرکے نہیں نکالا جا سکتا۔ اسی طرح کسی حدیث کا مفہوم دوسری احادیث کو نظر انداز کرکے نہیں متعین کیا جا سکتا، بلکہ سب کو سامنے رکھ کر کسی آیت یا حدیث کا مفہوم طے کرنا ہوگا۔ اتباع کے معاملے میں تمام آیات واحادیث کا درجہ برابر ہے۔ جو شخص اس کے علاوہ کوئی بات کہے گا اس کی بات بے دلیل ہوگی۔ ۷ مثال کے طور پر قرآن کریم میں ہے: **ذُقْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ**۔ الدخان: ۴۹۔ (چکھ، تو بڑا زبردست عزت دار آدمی ہے۔) اگر ہم اس آیت کو اس کے سیاق وسباق سے ہٹا دیں تو قطعاً اس کے صحیح معنیٰ ومراد تک نہیں پہنچ سکتے۔ لیکن اگر اس کے سیاق وسباق کو پیش نظر رکھا جائے تو ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ یہاں اس کا الٹا مفہوم مراد ہے کہ 'تو کمزور اور حقیر ہے'۔ اس لیے کہ کلام کا سیاق کافر اور اس کی سزا پر دلالت کر رہا ہے۔

۲۔ کبھی کبھی سیاق وسباق کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے نص کو سمجھنے یا اس سے حکم مستنبط کرنے میں غلطی ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ سیاق کو نظر انداز کر دینے سے حقیقی معنیٰ و

مراد تک نہیں پہنچا جا سکتا۔اس کی مثال صحیح بخاری کی یہ روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی : **الَّذِیْنَ آمَنُوا وَلَمْ یَلْبِسُوا إِیْمَانَهُم بِظُلْمٍ أُولَـئِکَ لَهُمُ الأَمْنُ وَهُم مُّهْتَدُونَ۔** الانعام : ۸۲۔(جولوگ ایمان لائے اور جنھوں نے اپنے ایمان کوظلم کے ساتھ آلودہ نہیں کیا، حقیقت میں امن انہی کے لیے ہے اور وہی راہ راست پر ہیں۔) توصحابہؓ پر یہ بات بہت گراں گزری اورانھوں نے کہا کہ ہم میں سے کون ہوگا جس کے ایمان کے ساتھ ظلم کی آمیزش نہ ہوئی ہو؟ اس پر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اس کے معنی وہ نہیں ہیں جو تم سمجھ رہے ہو۔ کیا تم نے حضرت لقمان کے اس قول کو نہیں سنا: **إِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ**۔لقمان: ۱۳۔ (بے شک، شرک بہت بڑا ظلم ہے۔) اس سے معلوم ہوا کہ سورۂ انعام کی آیت میں ظلم سے مراد شرک ہے۔امام شاطبیؒ اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں: ''سیاق کلام اس بات پر دلالت کررہا ہے کہ اس آیت میں ظلم سے مراد خاص طور سے شرک کی انواع واقسام ہیں، کیوں کہ پوری سورہ میں توحید کا بیان ہے اور شرک کا ابطال کیا گیا ہے۔اس آیت سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ مذکور ہے، جس میں انھوں نےقوم کے سامنے ستارے، چانداور سورج کے معبود ہونے کا انکار کیا ہے۔اس سے واضح ہوتا ہے کہ ظلم کی شرک سے بڑی کوئی قسم نہیں ہے۔۸؎

۳۔ اختلاف کی صورت میں ترجیحی پہلو کو اجاگر کرنے، ناسخ ومنسوخ پر دلالت کرنے، احادیث کی شان ورود کی معرفت، عام کو خاص اور خاص کو عام کرنے، مجمل کو مفصل اور محتمل کی تعیین کرنے میں سیاق کا اہم کردار ہے۔علامہ ابن قیمؒ سیاق وسباق کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''سیاق مجمل کی وضاحت، محتمل کی تعیین، عام کو خاص اور مطلق کو مقید کرتا ہے۔لہٰذا سیاق متکلم کے معنی ومراد اوراس کے کلام کی غرض وغایت پر دلالت کرنے والا سب سے اہم قرینہ ہے۔جس نے سیاق کو نظر انداز کیا اس نے متکلم کے معنی ومراد کو سمجھنے میں صریح غلطی کی''۔۹؎ اس کی مثال رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے: **لیس من البر الصوم فی السفر**۔۱۰؎ (سفر میں روزہ رکھنا نیکی کا کام نہیں ہے۔) اس میں اگر سیاق کو نظر انداز کردیا جائے تو اس کا مطلب یوں سمجھا جائے گا کہ سفر میں روزہ رکھنا باعث ثواب نہیں، یعنی سفر میں روزہ رکھنا درست نہیں ہے، لیکن سیاق کو پیش نظر رکھا جائے تو

حدیث کا صحیح مفہوم بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ سیاق یہ ہے کہ ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ سفر میں تھے۔ آپؐ نے ایک جم غفیر کو دیکھا۔ اس میں ایک آدمی کے اوپر سایہ کیا گیا تھا۔ آپؐ نے دریافت کیا: یہ کیا ماجرا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ یہ شخص روزے دار ہے۔ تب آپؐ نے یہ جملہ فرمایا۔ حدیث کا سیاق اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کا یہ قول متعین شخص کے لیے ہے۔ وہ حالت سفر میں روزہ رکھنے کی وجہ سے بدحال تھا، اسی لیے اس پر سایہ کیا گیا تھا۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا کہ حالت سفر میں دشواری ہو تو روزہ نہیں رکھنا چاہیے۔ اس حدیث کو اس کے عموم پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔

اب ہم عورت کے بارے میں چند احادیث کا مطالعہ کریں گے اور واضح کریں گے کہ سیاق کو پیش نظر نہ رکھنے کی وجہ سے ان کے صحیح مفہوم تک رسائی نہیں ہوئی ہے۔

۱۔ کیا عورت باعثِ نحوست ہے؟

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: **الشؤم فی المرأۃ والدار والفرس** ۱۱؎ (نحوست تین چیزوں میں ہے: عورت گھر اور گھوڑا۔) دوسری روایت میں شروع میں '**انما**' کا لفظ ہے۔ ۱۲؎ یعنی نحوست صرف انہی تین چیزوں میں ہے۔ تیسری روایت کی ابتدا میں '**لا عدوی و لا طیرۃ**' کا اضافہ ہے۔ ۱۳؎ یعنی بیماری کا متعدی ہونا اور بدشگونی کی کوئی حیثیت نہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ان توہمات کی تردید فرمائی جن میں اہل جاہلیت مبتلا تھے۔ اس موضوع پر ایک دوسری روایت حضرت عبد اللہ بن عمرؓ ہی سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں نحوست کا تذکرہ کیا گیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا: **ان کان الشؤم فی شیئ ففی الدار والمرأۃ والفرس**۔ ۱۴؎ (اگر کسی چیز میں نحوست ہوتی تو گھر، عورت اور گھوڑے میں ہوتی۔) اسی مضمون کی ایک دوسری روایت حضرت سہل بن سعدؓ سے بھی مروی ہے۔ ۱۵؎

اس روایت کا سیاق اس بات کی وضاحت کر رہا ہے کہ جب لوگوں نے حضور اکرم ﷺ کے پاس نحوست کا تذکرہ کیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر کسی چیز میں نحوست ہوتی تو وہ عورت، گھر اور گھوڑے میں ہوتی، لیکن جب ان میں بھی نہیں ہے تو اس کا مطلب

یہ ہے کہ کسی چیز میں نہیں ہے۔ امام طبریؒ نے اس حدیث کی تشریح میں لکھا ہے: ’’نبی کریم ﷺ کے اس قول سے نحوست کا اثبات نہیں، بلکہ نفی ہو رہی ہے۔ آپؐ نے یہ فرمایا ہے کہ اگر نحوست ہوتی تو ان تینوں میں ہوتی، لیکن جب ان میں نہیں ہے تو کسی چیز میں نہیں ہے۔ مثلاً کوئی شخص کہے کہ اگر گھر میں کوئی ہوتا تو زید ہوتا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ گھر میں زید ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ گھر میں زید ہے نہ اور کوئی ہے۔ ۱۶؎ دونوں حدیثوں کے سیاق میں نبی ﷺ نے شرط کا سلوب اپنایا، یہ واضح کرنے کے لیے کہ شرط نہ پائے جانے کی وجہ سے جزا بھی نہیں پائی گی۔ اس موقع پر آپؐ نے عورت، گھر اور گھوڑے کو خاص کیا۔ اس لیے کہ زمانۂ جاہلیت میں اہل عرب کے نزدیک ان تینوں چیزوں میں نحوست کی بات عام تھی۔ وہ ان کے بارے میں بدشگونی کرتے تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے اس جاہلی عقیدے کی بیخ کنی کرنے کے لیے ان میں نحوست کی نفی کی۔

رہی بات ان روایات کی جو جملۂ اسمیہ (الشؤم فی المراۃ و الدار و الفرس) اور قصر (أنما الشؤم فی ثلاثۃ) کے اسلوب میں وارد ہوئی ہیں۔ یہ راویوں کا تصرف اور اختصار ہے، جیسا کہ علامہ البانیؒ نے بیان کیا ہے: ’’حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ نحوست کسی بھی چیز میں نہیں ہے، کیوں کہ اس حدیث کے معنیٰ یہ ہیں کہ اگر نحوست کسی چیز میں ہوتی تو ان تینوں میں ہوتی، لیکن اصلا وہ کسی بھی چیز میں نہیں۔ لہٰذا جو روایات جملۂ اسمیہ اور لفظ قصر ’انما‘ سے وارد ہوئی ہیں وہ راویوں کا تصرف و اختصار ہے۔ ۱۷؎ اس مفہوم کی تائید حضرت عائشہؓ کی روایت سے بھی ہوتی ہے۔ ان کے پاس ایک مرتبہ بنو عامر کے دو آدمی آئے اور ان کے سامنے بیان کیا کہ حضرت ابو ہریرہؓ حضور اکرم ﷺ سے یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ گھر، عورت اور گھوڑے میں نحوست ہے۔ یہ سن کر حضرت عائشہؓ غضب ناک ہوگئیں اور فرمایا: ’’اس ذات کی قسم جس نے حضرت محمد ﷺ پر قرآن نازل کیا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے یہ بات کبھی نہیں کہی‘‘۔ بلکہ آپ نے یہ فرمایا کہ اہل جاہلیت ان چیزوں سے بدفالی لیتے تھے۔ ۱۸؎

۲۔ کیا نمازی کے آگے سے عورت کا گزرنا مُفسدِ صلوٰۃ ہے؟

ایک روایت میں ہے کہ ایک موقع پر حضرت عائشہؓ کے سامنے نواقض نماز کا

تذکرہ کیا گیا۔ لوگوں نے کہا کہ عورت، کتا اور گدھا نمازی کے آگے سے گزر جائیں تو اس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ حضرت عائشہؓ نے اس کا سختی سے انکار کیا اور فرمایا: ''تم لوگوں نے عورتوں کو گدھوں اور کتوں کے برابر بنا دیا۔ جب حضورر ﷺ نماز پڑھتے تھے تو میں آپؐ کے آگے تخت پر لیٹی رہتی تھی۔ مجھے کوئی ضرورت پیش آتی تو چپکے سے وہاں سے اٹھ جاتی تھی''۔ بعض روایات میں ہے کہ وہ فرماتی ہیں: ''جب اللہ کے رسول ﷺ سجدہ کرنا چاہتے تو مجھے اپنے ہاتھ سے ٹھوکا لگاتے، چنانچہ میں اپنا پیر سمیٹ لیتی۔ اس کے بعد جب آپؐ قیام کی حالت میں چلے جاتے تو پھر اپنا پیر پھیلا لیتی تھی۔ اس زمانے روشنی کا انتظام نہیں تھا''۔ [۱۹] یہ روایت مختلف طرق و اسالیب میں وارد ہوئی ہے: جملۂ اسمیہ، لام تاکید، جملۂ حالیہ، جملۂ فعلیہ وغیرہ۔ ان تمام روایات میں اس بات کی تاکید ہے کہ یہ تصور کہ عورت اگر نمازی کے سامنے سے گزر جائے تو اس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے، بالکل لغو اور باطل ہے۔ اس لیے کہ حضرت عائشہؓ حضورر ﷺ اور قبلہ کے درمیان لیٹی رہتی تھیں۔ یہ ایک دو دن کا واقعہ نہیں ہے، بلکہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بارہا ایسا ہوتا تھا، لیکن آپؐ نے کبھی ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کیا۔ نہ ان کے سامنے لیٹے ہونے کی وجہ سے آپ کی توجہ اور انہاک میں خلل پڑا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ وہ آپ کی زوجہ تھیں، یا رات میں گھروں میں چراغ نہیں جلتے تھے اور اندھیرا ہوتا تھا، یا آپؐ اپنی خواہشات پر سب سے زیادہ قابو رکھنے والے تھے۔ بہ ہر حال آپؐ نے اس صورت میں نماز فاسد ہو جانے کا اظہار نہیں کیا۔

پھر لوگوں کے درمیان یہ بات کیسے عام ہو گئی کہ ان تین کے نمازی کے آگے سے گزرنے سے اس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے؟ شاید اس کا سبب صحیح مسلم کی یہ روایت ہو جو حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **يقطع الصلاة المرأة والحمار والكلب ويقي ذلك مثل مؤخرة الرحل**۔ [۲۰] (عورت، گدھا اور کتا کے نمازی کے آگے سے گزرنے سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ اس سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ کجاوہ کے آخری حصے جیسی کوئی چیز سامنے رکھ لی جائے۔) یہ حدیث عورت، گدھے، کتے کے قاطع نماز ہونے کے معاملے میں صریح ہے، کیوں کہ لغوی

سیاق یعنی صیغۂ مضارع ان تینوں چیزوں کے نمازی کے سامنے گزرنے کو قاطع نماز قرار دے رہا ہے اور اس پر ابھارا جا رہا ہے کہ سترہ رکھ لیا جائے، تب نماز باطل نہیں ہوگی۔ حدیث کے سیاق سے معلوم ہو رہا ہے کہ اگر نمازی کے سامنے سترہ نہ ہو اور کوئی اس کے سامنے سے گزر جائے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اسی مفہوم کی روایت حضرت عون بن ابی جحیفہؓ سے مروی ہے: **سمعت أبی أنّ النبی ﷺ صلی بھم بالبطحاء و بین یدیہ عنزۃ الظھر رکعتین و العصر رکعتین، تمرّ بین یدہ المرأۃ و الحمار** ۲۱ (میں نے اپنے والد سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے مقام بطحاء میں ظہر کی دو رکعت اور عصر کی دو رکعت پڑھائی۔ آپؐ نے اپنے سامنے نیزہ رکھ لیا تھا۔ اس کے سامنے سے عورت اور گدھے وغیرہ گزرتے تھے۔ اس مفہوم کی دیگر روایات بھی مختلف الفاظ کے ساتھ مذکور ہیں۔ ان تمام میں نمازی کے سامنے سے عورت اور گدھے کے گزرنے کا تذکرہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سترہ ہونے کی صورت میں کسی چیز کے گزرنے سے نماز میں فساد نہیں پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا گزرنے والے کی سہولت کے لیے سترہ بنانا مستحب ہے، خواہ گزرنے والا مرد ہو یا عورت۔ اس لیے کہ نمازی کی نگاہ حد سترہ تک رہتی ہے، اس سے آگے نہیں جاتی۔ اس طرح اس کے خشوع و خضوع میں کوئی چیز مانع نہیں ہوگی۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فساد نماز کے اسباب میں انہی تینوں (عورت، گدھا، کتا) کو کیوں مخصوص کیا گیا ہے؟ کیا ان کے علاوہ اور کوئی گزرے تو نماز میں فساد نہیں پیدا ہوگا؟ روایات میں تینوں کا تذکرہ ایک ساتھ آیا ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ عورت گدھے اور کتے کے مساوی ہے۔ عورت اشرف المخلوقات میں سے ہے۔ اس کا اسلام میں بلند مقام و مرتبہ ہے۔ یہاں ان کا تذکرہ صرف حکم معین (فساد نماز) کے سیاق میں ہے۔

روایات میں نماز ٹوٹنے سے مراد اس میں نقص و عیب ہونا ہے، اس کا باطل ہونا مراد نہیں ہے، کیوں کہ بغیر سترہ کے نمازی کے سامنے سے کوئی گزر جائے تو نماز باطل نہیں ہوتی، البتہ نمازی کے خشوع و خضوع میں کمی آجاتی ہے۔ اس کا دل ذاتِ الٰہی کے

علاوہ دیگر چیزوں میں مشغول ہوجاتا ہے، جو نماز میں کمی کا باعث بنتی ہیں۔ یہی وجہ کہ سترہ کا مقصد نگاہ کو دیگر اشیاء میں مشغول ومنہمک ہونے سے روکنا اورنمازی کی نماز میں خلل ڈالنے والی چیزوں سے محفوظ رکھنا ہے، تاکہ وہ یکسوئی کے ساتھ اپنی نماز ادا کرے۔ بغیر سترہ کے نمازی کے سامنے سے عورت کے گزرنے سے نماز میں فساد پیدا ہونے کی علت یہ ہے کہ نمازی اس کے گزرنے سے فتنہ میں مبتلا ہوجائے گا۔ برخلاف مرد کے کہ اس کے گزرنے سے نمازی کے اس طرح کے کسی فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہیں ہے۔ گدھا اور کتا کے گزرنے سے نماز فاسد ہونے کی علّت دوسری ہے۔ مثلاً یہ کہ ان کی آواز سے نمازی کی توجہ اورانہماک میں خلل پڑے گا۔

حدیث کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے عورت کی حیثیت کو کم تر بتلانا مقصود نہیں ہے اور یہ نہیں کہا گیا ہے کہ اس کے گزرنے سے نماز باطل ہوجائے گی، بلکہ یہ بتایا گیا ہے کہ اس کی وجہ سے نمازی کی توجہ میں خلل واقع ہوتا ہے۔ اسی کا اشارہ حضرت عائشہؓ کی روایات سے ملتا ہے کہ ان کے رسول اللہ ﷺ کے سامنے لیٹے رہنے کی وجہ سے آپؐ کی نماز میں خلل واقع نہیں ہوا۔ اسی لیے آپؐ نے انھیں سامنے سے ہٹ جانے کے لیے نہیں کہا۔ اس طرح کے عوارض پیش آنے کا اندیشہ ہوتا تو آپؐ ضرور منع فرما دیتے۔ اس حدیث کی تشریح میں امام نوویؒ نے لکھا ہے: ''امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور جمہور سلف وخلف بیان کرتے ہیں کہ ان تینوں (عورت، گدھا، کتا) میں سے کسی کے یا ان کے علاوہ کسی اور کے گزر جانے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ ان حضرات نے اس حدیث کی، جس میں عورت کے گزر جانے سے نماز ٹوٹ جانے کا تذکرہ ہے، یہ تاویل کی ہے کہ ان میں توجہ ہٹ جانے کی بات کہی گئی ہے، جس کی وجہ سے نماز میں نقص پیدا ہوجاتا ہے، وہ باطل نہیں ہوتی۔ یہی استدلال حضرت عائشہؓ اور ان کے بعد علماء کرام نے کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہوتو عورت کے نمازی کے سامنے لیٹے رہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ البتہ بعض علماء نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے، کیوں کہ اس سے نمازی کی توجہ ہٹنے کا اندیشہ رہتا ہے۔ اس معاملے میں نبی ﷺ کا استثناء تھا۔ پھر آپؐ کے ساتھ ایسا رات میں پیش آتا تھا اور اس زمانے میں گھروں میں رات میں چراغ نہیں جلتے تھے۔ ۲۲۔

امام بخاریؒ نے اس حدیث کی روایت بطلان نماز کے سیاق میں نہیں کی ہے۔ شاید اس کی وجہ یہی ہے کہ ان کے نزدیک نمازی کے آگے سے عورت کے گزرنے سے زیادہ اس کے نمازی کے سامنے لیٹے رہنے سے اس کی توجہ ہٹنے کا اندیشہ رہتا ہے۔ اس کے باوجود اللہ کے رسول ﷺ کی نماز میں خلل واقع نہیں ہوا۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ اگر کسی شخص کی توجہ نہ ہٹے تو اس کے سامنے سے عورت گزرے یا مرد، اس کی نماز فاسد نہیں ہوتی۔ ۲۳؎

۳۔ کیا عورت میں ٹیڑھ ہوتی ہے؟

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:
استوصوا بالنساء، فأن المرأة خلقت من ضلع، وان أعوج شیئ فی الضلع أعلاه، فان ذهبت تقیمه کسرته، وان ترکته لم یزل أعوج، فاستوصوا بالنساء ۲۴؎
(عورتوں کے ساتھ اچھا برتاو کرو۔ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور پسلی کا سب سے ٹیڑھا اس کا بالائی حصہ ہوتا ہے۔ اگر تم اسے سیدھا کروگے تو اسے توڑ دوگے اور اگر اسے چھوڑ دوگے تو وہ ٹیڑھی ہی رہے گی۔ پس تم عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔)

اس حدیث کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں مردوں سے خطاب ہے۔ اس کی ابتدا میں آپؐ نے عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی ہدایت کی اور اسی ہدایت پر خطاب کا اختتام بھی ہوا۔ ایک روایت میں 'استوصوا بالنساء' کے بعد 'خیراً' کا اضافہ ہے۔ ۲۵؎ ان دونوں حدیثوں میں اس جملے کی تکرار ہے۔ یہ انداز کلام نبویؐ میں عام ہے۔ ۲۶؎ اہلِ عرب کا طریقہ تھا کہ کسی اہم اور قابل توجہ کام کی ترغیب دینے کے لیے الفاظ کی تکرار اور اعادہ کرتے تھے، تاکہ سننے والے اس کی اہمیت سے واقف ہو جائیں۔ ۲۷؎ حضور ﷺ نے بھی یہی اسلوب اختیار کیا، کیوں کہ آپؐ بھی اہل عرب کی زبان اور اسلوب میں ہی بات کرتے تھے۔ ان کے اسلوب کی خاصیت یہ تھی کہ اس میں تاکید اور تفہیم کے لیے تکرار پائی جاتی ہے۔ ۲۸؎ اللہ کے رسول ﷺ نے **استصو بالنساء خیراً** کی تکرار فرمائی، تاکہ لوگوں پر اس کی اہمیت واضح ہو جائے، اس کی جانب ان کی توجہ زیادہ ہو جائے اور وہ صنف نازک کے ساتھ حسن سلوک، نرمی و آسانی اور عزت و شرف کا برتاؤ کریں۔ اس حدیث میں لفظ

'استوصوا' باب استفعال سے ہے، جو مقصد کے حصول میں مبالغہ پر دلالت کرتا ہے۔ علامہ طیبیؒ نے لکھا ہے: ''اس میں طلب پائی جاتی ہے، یعنی عورتوں کے معاملے میں اچھا برتاؤ کرنے کی ہدایت اپنے آپ سے حاصل کرو، یا یہ مطلب ہے کہ ان کے ساتھ حسن سلوک کے سلسلے میں میری ہدایت قبول کرو''۔۲۹؎ اس کے بعد نبی ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور انسان میں سب سے زیادہ ٹیڑھ اس کے بالائی حصے میں ہوتی ہے''۔ یہ بات بھی آپؐ نے جملۂ موکدہ کے ذریعہ فرمائی، تا کہ مخاطبین کے ذہن میں پختہ طور سے بیٹھ جائے کہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور پسلی کے اوپری حصے میں سب سے زیادہ ٹیڑھ ہوتی ہے۔ گویا آپؐ اس بات کی طرف اشارہ کررہے ہیں کہ عورت پسلی کی اوپری حصے کے مانند ہے، جس میں سب سے زیادہ ٹیڑھ ہوتی ہے۔

عورت کو پسلی کے اوپری حصے سے تشبیہ دینے میں اس کے وصف کی طرف اشارہ مقصود ہے۔ پسلی کا اوپری حصہ جھکا ہوا ہوتا ہے۔ اس ارشاد نبویؐ کا مقصد عورت کی فطرت میں پوشیدہ اس کے وصف (جھکنا، دوسروں کا خیال رکھنا، ان کی حفاظت کرنا) کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنا ہے، جو اس کو مردوں سے ممتاز کرتا ہے۔ یہ تو عورت کا قابل تعریف وصف ہے، نہ کہ قابل مذمت وصف۔ اللہ کے رسول ﷺ نے عورتوں کے اس وصف کا تذکرہ کر کے مردوں کو ہدایت کی ہے کہ وہ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں، اس لیے کہ عورتوں کی خلقت ان سے مختلف ہے۔ قرآن میں ہے: وَلَيْ ☐ سَ الذَّكَرُ كَالأُنثَى۔ آل عمران: ۳۶۔ (مرد عورت کی طرح نہیں ہے۔) اس مضمون کی ایک دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں: **المرأة كا لضلع ، ان أقمتها كسرتها، وان استمتعت بها استمعت بها و فيها عوج** ۳۰؎ (عورت پسلی کی مانند ہے۔ اگر تم اس کو سیدھا کرو گے تو اسے توڑ دو گے اور اگر اس میں ٹیڑھ باقی رہتے ہوئے اس سے فائدہ اٹھانا چاہو گے تو اٹھا سکتے ہو۔)

اس روایت میں تشبیہ کی صراحت ہے۔ عورت کو پسلی کے مشابہ قرار دیا گیا ہے۔ پسلی کی ایک مخصوص شکل اور مخصوص وصف ہے۔ یہ جسم انسانی کا ایک عضو ہے، جو اپنی منحنی شکل کی وجہ سے اندرونی اعضاء (قلب، جگر وغیرہ) کی حفاظت کرتا ہے۔

پسلی کا ٹیڑھا پن اس کا کوئی عیب یا نقص نہیں ہے، بلکہ اس کا حسن ہے۔

نبی ﷺ نے ٹیڑھ پن میں عورت کو پسلی سے تشبیہ دی ہے۔ گویا عورت اپنے مخصوص مزاج کے ذریعہ خاندان کی نگہ داشت کرتی ہے، اس کے ساتھ محبت و شفقت، مہربانی و غم خواری اور لطف و عنایت سے پیش آتی ہے۔ یہ عورت کی وہ اہم خصوصیت ہے جو اس کو فطرت کی عطا کردہ ذمہ داریوں اور مقاصد کی تکمیل میں اہم رول ادا کرتی ہے اور اسے حمل و رضاعت، حضانت و تربیت وغیرہ کو اچھی طرح انجام دینے پر آمادہ کرتی ہے۔ انہی باتوں کے پیش نظر نبی ﷺ نے مخاطبین سے عورت کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی۔ آپؐ نے فرمایا: ''اگر تم اس کو سیدھا کرنے کی کوشش کروگے تو اسے توڑ دوگے۔'' اس سے آپؐ کا مقصد لوگوں کی توجہ اس جانب مبذول کرانا تھا کہ اگر وہ عورت کی فطرت اور مزاج کے خلاف اس کے ساتھ برتاؤ کریں گے تو اس سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے اور عائلی زندگی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اس کے ساتھ برا سلوک کرنے سے اس کو تکلیف پہنچے گی اور اس کے جذبات مجروح ہوں گے، جس طرح اگر پسلی کو سیدھا کرنے کی کوشش کی جائے تو وہ ٹوٹ جائے گی، لیکن اگر اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے تو عائلی زندگی خوش گوار رہے گی۔

حدیث میں لفظ '**استمتعت**' کی تکرار ہے۔ اس سے عورت کے ساتھ حسن سلوک، خاطر مدارات مقصود ہے۔ اسی لیے امام بخاری نے اس پر یہ باب (عنوان) قائم کیا ہے: **المدارۃ مع النساء**۔ (عورتوں کے ساتھ اچھے برتاؤ کا بیان۔) شارح صحیح بخاریؒ امام ابن بطالؒ فرماتے ہیں: ''اہل ایمان کے اچھے اخلاق میں سے **مداراۃ** بھی ہے۔ اس سے مراد ہے لوگوں کے ساتھ تواضع اور انکسار سے پیش آنا، نرمی سے بات کرنا اور درشتی کا مظاہرہ نہ کرنا۔ یہ باہم محبت و الفت کے اسباب میں سے ہے''۔ [۳۱]

قرآن کریم میں عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے: **وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ** ۔ النساء: ۱۹۔ (اور ان کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی بسر کرو۔) اسی بات کو اللہ کے رسول ﷺ نے '**استوصوا النساء**' (عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو) سے ادا فرمایا ہے۔ زیر بحث روایت کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول

ﷺ عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کے شدید خواہاں رہتے تھے۔ آپؐ کا سلوک اپنی ازواج کے ساتھ محبت ومودت پر مبنی تھا اور صحابہ کرام سے بھی آپ یہی چاہتے تھے۔

۴۔ کیا عورت فتنہ ہے؟

حضرت اسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: **ما ترکتُ بعدی فتنۃً أضرّ علی الرجال من النساء** ۳۲۔ (میرے بعد مردوں کے لیے سب سے زیادہ نقصان دہ فتنہ عورتوں کا ہوگا۔) اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ایک زمانے میں مردوں کے لیے سب سے بڑا فتنہ اور خسارے کا سبب عورت ہوگی۔ اس میں فتنہ کو عورت سے منسوب کیا گیا ہے اور اس کو اسم تفضیل کے صیغے سے بیان کیا گیا ہے۔

عربی زبان میں فتنہ کا معنیٰ ومفہوم کیا ہے؟ تہذیب اللغۃ میں ہے: ''فتنے کی اصل اس جملے سے ماخوذ ہے: **فتنت الفضۃ و الذھب** ۳۳۔ (تم نے سونے چاندی کو آگ میں پگھلایا، تاکہ اس کا کھوٹا حصہ کھرے حصے سے الگ ہو جائے۔) قاضی عیاضؒ نے لکھا ہے: کہا جاتا ہے: **فتنت الفضۃ علی النار** (تم نے چاندی کو خالص کرنے کے لیے آگ پر پکایا۔) پھر اس کا ستعمال ناپسندیدہ چیز کی جانچ کرنے کے لیے ہونے لگا۔ پھر اسے ناپسندیدہ چیزوں کے لیے استعمال کیا جانے لگا۔ چنانچہ کبھی اس کا ستعمال کفر کے معنیٰ میں ہوا ہے: وَالْفِتْنَۃُ أَکْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ۔ البقرۃ: ۲۱۷۔ (لوگوں کو کفر وشرک کی طرف پھیرنا قتل سے بڑا جرم ہے۔) کبھی اس کا استعمال گناہ کے معنیٰ میں ہوا: أَلاَ فِیْ الْفِتْنَۃِ سَقَطُوا۔ التوبۃ: ۴۹۔ (وہ گناہ میں مبتلا ہو گئے۔) فتنہ کے اصلی معنیٰ آزمائش وجانچ کرنے کے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِنَّمَا أَمْوَالُکُمْ وَأَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃ۔ التغابن ۱۵۔ (تمہارے مال اور اولاد سراسر تمہاری آزمائش ہیں۔) کبھی فتنہ کا لفظ آگ میں جلانے کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے: إِنَّ الَّذِیْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰت۔ البروج: ۱۰۔ (بے شک جن لوگوں نے مسلمان مردوں اور عورتوں کو آگ میں جلایا۔) اسی معنیٰ میں ہے: **اعوذ بک من فتنۃ النار** ۳۴۔ (میں آگ کے عذاب سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ لفظ 'فتنة' مختلف معانی میں مستعمل ہے۔ زیر بحث حدیث میں عورت کو 'فتنہ' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس میں فتنہ سے کیا مراد ہے؟ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں عورت کو 'فتنہ' آزمائش کے معنیٰ میں کہا گیا ہے۔ اس کے ذریعہ مرد کو آزمایا جاتا ہے اور اس کا امتحان لیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مرد و زن کی فطرت میں ایک دوسرے کی جانب میلان اور محبت کا جذبہ رکھا ہے۔ یہ میلان فطری ہے۔ ان میں سے ہر ایک دوسرے کی جانب میلان رکھتا ہے۔ لیکن عورت کے اندر کشش زیادہ ہوتی ہے اور مرد اس کی طرف زیادہ مائل ہوتا ہے۔ اس میلان کی وجہ سے بسا اوقات مرد حرام کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے، عبادت اور خیر کے کاموں سے روگردانی کرنے لگتا ہے۔ اسی لیے اللہ کے رسول ﷺ نے مرد کو ہوشیار کیا ہے کہ عورتوں سے شدت تعلق کی بنا پر آزمائش میں نہ پڑیں اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہ ہوں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حدیث میں عورت کے لیے 'فتنہ' کا جو لفظ وارد ہوا ہے اس سے قطعاً اس کی حقارت و ذلت، نقص و عیب، اس کے وقار کو مجروح کرنا اور اس کی قدر گھٹانا مراد نہیں ہے، بلکہ اسلام میں عورت کا ممتاز اور قابل لحاظ مقام و مرتبہ ہے۔ یہ حدیث بیان کر رہی ہے کہ عورتیں مردوں کے لیے سب سے سخت اور دشوار امتحان ہیں۔ اس لیے کہ ان میں مردوں کے لیے کشش پائی جاتی ہے اور ان کی محبت میں وہ بعض اوقات غلط کام کر بیٹھتے ہیں۔ چنانچہ مردوں کو اس سے ڈرایا گیا ہے اور انھیں متنبہ کیا گیا ہے۔

ایک روایت حضرت سعید بن جبیرؒ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے ایک مرتبہ مجھ سے دریافت کیا: کیا تمہاری شادی ہوگئی ہے؟ میں نے نفی میں جواب دیا تو انھوں نے فرمایا: شادی کرلو، کیوں کہ اس امت کے نیک لوگوں کی اکثریت عورتوں کی ہے۔ ۳۵ اس سے تو معلوم ہو رہا ہے کہ عورتوں کا وجود باعث خیر و صلاح ہے، نہ کہ وہ شر اور گناہ کا موجب ہے۔

۵۔ کیا اکثر عورتیں جہنمی ہیں؟

حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: **اطلعت فی الجنة فرأیت أکثر أھلھا الفقراء، و اطلعت فی النار فرأیت أکثر أھلھا النساء**۳۶؎ (میں نے جنت میں دیکھا تو اس کے اکثر لوگ فقراء تھے اور میں نے جہنم میں دیکھا تو اس میں اکثر عورتیں تھیں۔)

اس حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ کے جنت و جہنم کے مشاہدے کا تذکرہ ہے۔آپؐ نے اہل جنت اور اہل جہنم کے بارے میں خبر دی ہے اور اس کو صیغۂ ماضی سے تعبیر کیا ہے، جس سے اس خبر کا یقینی ہونا معلوم ہوتا ہے۔ آپؐ نے اسم تفضیل کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ اس کے ذریعہ مخاطبین کو یہ احساس دلایا ہے کہ جنت میں فقراء کی اکثریت اور جہنم میں عورتوں کا غلبہ ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اہل جنت سب کے سب فقراء نہیں ہوں گے، بلکہ اس میں دوسرے لوگ بھی ہوں گے۔ اسی طرح جہنم میں صرف عورتیں ہی نہیں ہوں گی، بلکہ دوسرے لوگ بھی ہوں گے۔ اس مضمون کی دوسری روایت کے یہ الفاظ ہیں: **قمت علی باب الجنة، فکان عامة من دخلھا المساکین و أصحاب الجد محبوسون غیر أن أصحاب النار قد أمر بھم الی النار، و قمت علی باب النار فاذا عامة من دخلھا النساء**''۳۷؎ (میں جنت کے دروازے پر کھڑا ہوا تو میں نے دیکھا کہ اس میں داخل ہونے والے زیادہ تر لوگ مساکین ہیں۔ مال داروں کو روک لیا گیا ہے اور اہل جہنم کو جہنم کی طرف لے جایا جا رہا ہے۔ اور میں جہنم کے دروازے پر کھڑا ہوا تو دیکھا کہ اس میں جانے والی زیادہ تر عورتیں ہیں۔)

اس حدیث میں بھی اہل جنت اور اہل جہنم کے بارے میں خبر دی گئی ہے اور اس کو فعل ماضی سے تعبیر کیا ہے، تا کہ اس خبر پر یقین کامل ہو جائے۔ اس حدیث میں لفظ 'عامۃ' آیا ہے۔ اس سے پہلے والی حدیث میں لفظ 'اکثر' تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم میں صرف عورتیں نہیں ہوں گی۔ پھر کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ جہنم میں عورتیں محض

عورتیں ہونے کی وجہ سے جائیں گی؟ ایسا نہیں ہے۔ بہت سی عورتیں بڑی پرہیز گار، متقی، نیک و صالح ہوتی ہیں۔ ان کو جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ ایک حدیث میں حضرت خدیجہؓ کو جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ ۳۸؎ ایک حدیث میں حضرت فاطمہؓ کو جنت کی عورتوں کی سردار کہا گیا ہے۔ ۳۹؎ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جنت و جہنم میں داخلہ کا معیار مرد یا عورت ہونا نہیں ہے، بلکہ اس کے دیگر معیارات ہیں۔

اس مضمون کی ایک دوسری حدیث حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: **أریت النار فاذا أکثر أھلھا النساء، یکفرن، قیل: أیکفرن باللہ؟ قال: یکفرن العشیر و یکفرن الاحسان، لو أحسنت الی احداھن الدھر، ثم رأت منک شیئاً قالت ما رایت منک خیر اً قط** ۴۰؎ (مجھ کو جہنم دکھائی گئی، تو اس میں اکثریت عورتوں کی تھی۔ وہ نافرمان ہوتی ہیں۔ سوال کیا گیا: کیا وہ اللہ کی نافرمانی کرتی ہیں؟ آپؐ نے جواب دیا: وہ اپنے شوہروں کی نافرمانی کرتی ہیں اور ان کی احسان فراموشی کرتی ہیں۔ اگر تم اپنی بیوی کے ساتھ زندگی بھر حسن سلوک کرو، لیکن کسی دن وہ تمھاری طرف سے اپنے مزاج کے خلاف کوئی بات دیکھے تو فوراً کہہ دیتی ہے کہ تم نے آج تک میرے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ نہیں کیا۔)

اس حدیث کا سیاق یہ ہے کہ ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ نے سورج گرہن کی نماز پڑھائی اور اس کے بعد خطبہ دیا تو اس میں یہ بات بیان کی۔ اس حدیث میں لفظ '**یکفرن**' (وہ ناشکری کرتی ہیں) کا اضافہ اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ جو عورت بھی اس کا ارتکاب کرے گی وہ جہنم میں جائے گی۔ محض عورت ہونے کی وجہ سے وہ جہنم کی مستحق نہیں بنے گی۔

اللہ کے رسول ﷺ نے '**یکفرن**' کا صیغۂ مضارع استعمال کیا، یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ عورتوں کی جانب سے ناشکری کا مظاہرہ بار بار ہوتا ہے، تا کہ ان کو معلوم ہو جائے کہ یہ کوئی معمولی گناہ نہیں ہے۔ حدیث میں '**عشیر**' کا لفظ آیا ہے۔ اس سے مراد علماء کے نزدیک شوہر ہے، جیسا کہ امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب میں اس کی

تشریح کی ہے: **وھو الزوج وھو الخلیط من المعاشرۃ** [۴۱] (اس سے مراد شوہر ہے، جس کے ساتھ رہن سہن ہوتا ہے۔)

اگرچہ اس حدیث کے مخاطب خاص ہیں، لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے اس میں عام بات کہی ہے۔ کیوں کہ اس میں ایک نفسیاتی رویہ کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ انسان کی طبیعت میں داخل ہے کہ وہ کسی ایک معاملے کی وجہ سے تمام بھلائیوں اور احسانات کو فراموش کر دیتا ہے۔ عورت کی طبیعت پر جذبات کا غلبہ ہوتا ہے، جس کی وجہ سے اس سے اس رویے کا اظہار جلد ہو جاتا ہے اور وہ جذبات سے مغلوب ہو کر حد سے آگے بڑھ جاتی ہے۔ اس حدیث کا مقصد عورتوں کی تربیت اور ان کی صحیح رہ نمائی کرنا ہے کہ وہ اس برے وصف سے دور رہیں اور اس سے بچنے کی کوشش کریں۔

اسی مفہوم کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ عید الاضحیٰ یا عید الفطر میں عید گاہ تشریف لے گئے۔ نماز کے بعد آپ عورتوں کے پاس گئے اور ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: **یامعشر النساء! تصدّقن، فانّی أریتکن أکثر أھل النار، فقلن: وبم یارسول اللہ؟ قال: تکثرن اللعن وتکفرن العشیر** [۴۲] (اے عورتو! صدقہ کرو۔ اس لیے کہ مجھے دکھایا گیا ہے کہ جہنم میں سب سے زیادہ تمہاری تعداد ہے۔ عورتوں نے کہا: کیوں، اے اللہ کے رسول ﷺ؟ آپؐ نے فرمایا: تم بہت زیادہ لعن طعن کرتی ہو اور شوہر کی ناشکری کرتی ہو۔)

اس حدیث کے سیاق میں خطاب اگرچہ موجود عورتوں سے ہے، لیکن مراد وہ تمام عورتیں ہیں جو شوہروں پر لعن طعن اور ان کی ناشکری کرتی ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے یہ باتیں عورتوں کو محتاط رہنے، انھیں متنبہ کرنے اور عذاب الٰہی سے ڈرانے کے لیے ارشاد فرمائی ہیں۔ ان سے ان کی تعلیم و تربیت اور اصلاح مقصود ہے۔ ان سے عورتوں کی تذلیل و تحقیر، مذمت و ملامت اور نقص و عیب مقصود نہیں ہے۔ اس سے یہ حقیقت واشگاف ہوگئی کہ جہنم میں عورتوں کی اکثریت ان کے عورت ہونے کی وجہ سے نہیں، بلکہ ناشکری کی وجہ سے ہوگی۔ اسی لیے آپؐ نے انھیں صدقہ کرنے کی ترغیب دی، اس لیے کہ صدقہ جہنم سے بچاتا ہے اور گناہوں کو مٹانے کا ذریعہ ہے۔

۶۔ کیا عورتوں کے عقل اور دین میں کمی ہے؟

حدیث بالا میں یہ بھی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے عورتوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: **ما رأیت من ناقصاتِ عقلٍ و دین أذھب للبّ الرجل الحازم من احداکن۔** ۴۳؎ (میں نے تمہارے علاوہ کسی کو نہیں دیکھا جو عقل اور دین کے معاملے میں ناقص ہو، لیکن وہ ہوشیار مرد کی عقل کو گم کردے۔)

اس حدیث میں کوئی قاعدۂ کلیہ یا کوئی عام حکم نہیں بتایا گیا ہے، جو عورتوں کے معاملے میں پایا جاتا ہے۔ آں حضرت ﷺ کی تعبیر 'ناقصات العقل' سے یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ عورت کی عقل اور فکری صلاحیتیں مرد سے کم تر ہوتی ہیں، لیکن یہ احتمال آپ کے اس ارشاد سے دور ہو جاتا ہے کہ ''عورت ہوشیار مرد کی عقل کو گم کر دیتی ہے''۔ اگر عورت 'ناقصات العقل' میں سے ہوتی تو کیسے عقل مند مرد کی عقل کو قابو میں کر لیتی۔ درحقیقت اس حدیث میں مردوں پر اثر انداز ہونے کی صلاحیت کا، جو عورتوں میں پائی جاتی ہے، تذکرہ کیا گیا ہے۔

اس حدیث میں عورت کی قدر و منزلت کو کم نہیں کیا گیا ہے، بلکہ اس کا اثبات کیا گیا ہے۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: ''اگر کوئی اعتراض کرے کہ کیا اس حدیث سے عورتوں کی تذلیل و تحقیر نہیں ہوتی؟ تو میں کہوں گا کہ نہیں، بلکہ اس سے رسول اللہ ﷺ کے اس تعجب کا اظہار ہوتا ہے کہ عورت فطری طور پر کم زور ہونے کے باوجود عقل مند مردوں پر غلبہ حاصل کر لیتی ہے''۔ ۴۴؎

حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی جانب سے وضاحت بھی موجود ہے کہ عورتوں کے ناقصات العقل و الدین ہونے کا کیا مفہوم ہے؟ عورتوں کے اس سوال پر کہ ناقصات العقل کا کیا مطلب ہے؟ آپؐ نے ان سے استفسار کیا کہ کیا عورت کی گواہی مرد کی گواہی کا نصف نہیں ہے؟ علامہ ابن حجرؒ نے لکھا ہے: ''کتنے لطیف انداز میں آپؐ نے جواب دیا۔ آپؐ نے نہ کسی قسم کی ناگواری ظاہر کی اور نہ ان کی ملامت و مذمت کی''۔ ۴۵؎ عورتوں کے سوال کا 'استفہام تقریری' (کہ مخاطب سے ہی اقرار و تصدیق ہو جائے) کے ذریعہ جواب دیا، تا کہ یہ بات ان کے ذہنوں میں اچھی طرح راسخ ہو جائے۔ آپؐ کا اشارہ اس

ارشاد باری کی طرف تھا: وَاسۡتَشۡهِدُوا شَهِيدَيۡنِ من رِّجَالِكُمۡ فَإِن لَّمۡ يَكُونَا رَجُلَيۡنِ فَرَجُلٌ وَامۡرَأَتَانِ مِمَّن تَرۡضَوۡنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَن تَضِلَّ إِحۡدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحۡدَاهُمَا الۡأُخۡرَى۔ البقرۃ: ۲۸۲۔ (اور اپنے میں سے دو مرد گواہ رکھ لو۔ اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جنھیں، تم گواہوں میں سے پسند کرلو، تاکہ ایک کی بھول چوک کو دوسری یاد دلا دے۔)

حدیث میں عورتوں کی سرزنش اور ملامت نہیں کی گئی ہے اور نہ انھیں حقیر اور کم تر قرار دیا گیا ہے، بلکہ ان کے نقصِ عقل کی توجیہ پیش کی گئی ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہوتی ہے۔ آیت قرآنی میں اس کی علّت دو الفاظ (تَضِلّ اور تُذَكِّرَ) سے بیان کی گئی ہے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ فکری صلاحیت کے معاملے میں مرد اور عورت کے درمیان فرق ہے اور حواس اور ذہانت کے معاملے میں بھی ان کے درمیان تفاوت پایا جاتا ہے۔

'ضلال' کے معنیٰ سیدھی راہ سے انحراف کے آتے ہیں۔ اس کا استعمال بھول چوک کے معنیٰ میں بھی ہوتا ہے اور تذکیر کا معنیٰ ہے توجہ دلانا۔ جو شخص بھی واقعہ کے ایک پہلو کو مدنظر رکھ کر سوچے گا اور دوسرے پہلو کو نظر انداز کر دے گا، وہ خواہ مرد ہو یا عورت، اس کا غور وفکر ناقص ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عقل میں کمی کا مطلب غور و فکر کی صلاحیتوں میں کمی یا دماغ کی بناوٹ میں نقص نہیں ہے۔ یہ کمی ان خارجی اسباب و عوامل میں ہوتی ہے جو غور وفکر پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ان سے عورت بہت جلد متاثر ہوجاتی ہے، کیوں کہ اس کی فطرت میں جذبات کا غلبہ ہوتا ہے۔ وہ اپنے فطری جذبات سے مغلوب ہو کر اشیاء کے بارے میں فیصلہ کرتی ہے۔ اس کے جذبات بسا اوقات اس کی عقل پر غالب آجاتے ہیں۔ موجودہ دور کے ایک محقق شیخ محمد علی صابونیؒ نے لکھا ہے:

"مرد کی عقل اس کے جذبات پر غالب رہتی ہے، جب کہ عورت کے جذبات اس کے عقل پر غالب رہتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے۔ اگر عورتوں میں جذبات کی فراوانی نہ ہوتی تو بچوں کی پرورش صحیح طریقے سے نہ ہو پاتی۔ تربیتِ اطفال کے لیے قوی جذبات مطلوب ہیں نہ کہ عقلی فلسفہ"۔[۴۶]

اپنے اسی جذبے اور رقّت کی وجہ سے عورت مرد پر غالب آجاتی ہے، جیسا کہ

رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں اشارہ کیا ہے۔ رہی بات عورتوں کے دین میں نقص کی تو اس کا جواب بھی اللہ کے رسول ﷺ نے 'استفہام تقریری' میں دیا۔ آپؐ نے ان سے دریافت فرمایا کہ کیا ایسا نہیں ہے کہ تم حیض کی حالت میں روزہ اور نماز نہیں پڑھ سکتیں؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں، تو آپؐ نے فرمایا: تمہارے دین میں نقص کا یہی مطلب ہے۔ اس جواب سے عورتوں کی تحقیر مقصود نہیں تھی، بلکہ انھیں اللہ تعالیٰ نے جو شرعی رخصتیں دی ہیں اور اس طرح ان کے ساتھ جو نرمی و آسانی کا معاملہ کیا ہے اس کو بتلانا مقصود ہے۔

خلاصہ یہ کہ اس حدیث میں عورت کو مرد سے کم تر نہیں دکھلایا گیا ہے، بلکہ نقص عقل اور 'نقص دین' کی تعبیرات کے ذریعہ دونوں کے مزاج میں پائے جانے والے فرق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ نقص دین سے خاص کمی مراد ہے، جو عبادات کے معاملے میں حیض کی وجہ سے لاحق ہوتی ہے۔ یہ عورتوں کے لیے کوئی قابل گرفت چیز نہیں ہے۔ اور عقل کے نقص سے مراد ذہانت وفطانت، دانش مندی وہوشیاری یا غور وفکر کی استعداد میں کمی نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں دونوں کو ودیعت فرمائی ہے، بلکہ اس سے صرف اس جانب اشارہ مقصود ہے کہ عورت اپنے جذبات کے غلبے اور مزاج کی رقت ونرمی کی وجہ سے گواہی کو درست طریقے سے منضبط نہیں کر پاتی۔

احادیث میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں جن سے عورت کے علمی وفکری تفوق کا اظہار ہوتا ہے اور اسلام میں اس کے عظیم مقام و مرتبے کا ثبوت ملتا ہے۔ بے شمار لوگوں نے خواتین کے علم وفضل، فقاہت و ذہانت سے استفادہ کیا ہے اور وہ اپنی وسعت علمی اور اعلیٰ صلاحیت کی وجہ سے مردوں سے فائق رہی ہیں۔

۷۔ کیا عورت کی حکم رانی باعثِ تباہی ہے؟

حضرت ابوبکرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کو جب اطلاع ملی کہ اہل فارس نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا حکم راں بنالیا ہے تو آپؐ نے فرمایا: **لن یفلح قوم ولّوا أمرھم امرأۃ**[۴۷] (وہ قوم ہرگز کام یاب نہیں ہوسکتی جو اپنا حکم راں کسی عورت کو بنالے۔) اس حدیث کا پس منظر یہ ہے، جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ جب حضور

ﷺ نے شاہِ ایران کسریٰ کو اسلام کی دعوت دی اور اس کے پاس خط بھیجا تو اس نے مکتوب نبویؐ کو چاک کر دیا۔ اس پر آپؐ نے اسے بد دعا دی اور فرمایا: ''اللہ ان لوگوں کے بھی ٹکرے ٹکرے کر دے''۔ ۴۸؎ اللہ نے آپؐ کی دعا قبول فرمائی اور کسریٰ کو اس کے بیٹے شیرویہ نے قتل کر دیا۔ پھر اس نے اپنے بھائیوں کو بھی قتل کر دیا۔ جب حکم راں خاندان میں کوئی مرد نہ بچا تو لوگوں نے اس کی بیٹی کو حکم راں تسلیم کرلیا۔ یہ خبر حضور ﷺ کے پاس آئی تب آپؐ نے یہ بات فرمائی تھی۔☆

اللہ کے نبی ﷺ کے اس ارشاد سے عورت کی ذلت وحقارت یا اس کی قیادت و سیادت کی صلاحیت میں کمی کا مفہوم نہیں لیا جا سکتا اور نہ اس سے یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ عظمت وشرافت، لیاقت اور صلاحیت میں عورت مرد کے برابر نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ عورت جاہل اور علوم وفنون سے بے بہرہ ہے اور اس کے اندر ذکاوت وفطانت نہیں ہوتی، بلکہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے اس کی فطری صلاحیتوں کو پیش نظر رکھ کر ہی اس پر ذمہ داریاں عائد کی ہیں۔ اس طرح حقیقت میں اسلام نے اس کی عزت افزائی کی ہے۔ اس نے اس پر کوئی ایسا بوجھ نہیں ڈالا جو اس کے مزاج اور ذوق کے خلاف ہو۔ اس سے عورت میں کسی قسم کے نقص وعیب اور ذلت وحقارت کا اشارہ نہیں ملتا، بلکہ اس سے ان احکام شریعت پر عمل ہوتا ہے جو اس نے فساد واختلاط، تنہائی میں اجنبیوں اور غیر محرموں سے ملاقات، بغیر محرم کے سفر اور بے حجابی وغیرہ سے بچنے کے لیے دیے ہیں۔

احادیث نبویؐ میں مذکور بہت سے واقعات اس بات پر شاہد ہیں کہ عورتوں نے شریعت اسلامیہ کی پابندی کرتے ہوئے زندگی کے تمام اجتماعی، سیاسی اور اقتصادی امور میں شرکت کی ہے، البتہ ان کے تخلیقی احوال اور فطری ونفسیاتی صلاحیتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے بعض امور میں ان کی خدمات نہیں لی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ اس نے مردوں کے ساتھ جنگوں میں شرکت کی ہے، ان میں زخمیوں کی تیمارداری کی ہے، پیاسوں

☆اس حدیث کی روشنی میں عورت کی امامت وقیادت اور اس سے متعلق موضوعات پر راقم نے اپنی کتاب (عورت۔ اسلامی معاشرے میں) میں تفصیل سے بحث کی ہے۔ ملاحظہ ہو، چودھواں ایڈیشن، ص ۲۶۶۔۲۸۶، ناشر: مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز، نئی دہلی ۲۵ (جلال الدین)

کو پانی پلایا ہے، نماز اور حج وعمرہ میں شرکت کی ہے، حضور ﷺ سے براہ راست علم حاصل کرنے میں پیش پیش رہی ہیں، دعوت الی اللہ کا فریضہ انجام دیا ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے امور میں شرکت کی ہے۔ معاشرے کی تاسیس وتشکیل، درس وتدریس، فتویٰ، طب وغیرہ کے شعبوں میں ان کی نمایاں کارکردگی رہی ہے۔ امت کے ملی، دینی، سیاسی اور سماجی کاموں میں انھوں نے اہم خدمات انجام دی ہیں۔ اہم معاملات میں ان کی آراء کو تسلیم کیا گیا ہے اور ان کے حقوق واختیارات کو محدود نہیں کیا گیا ہے۔

حواشی ومراجع

۱۔ ابن فارس، معجم مقاییس اللغۃ، تحقیق عبد السلام محمد ہارون، دار الفکر، ۱۹۷۹م، مادہ: 'س وق'

۲۔ الزمخشری، أساس البلاغۃ، تحقیق: محمد باسل عیون، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۱۹۹۸م، مادہ: 'س وق'

۳۔ ابن دقیق العید، احکام الاحکام شرح عمدۃ الأحکام، تحقیق: مصطفی شیخ مصطفی و مدثر سندس، ۲۰۰۵م ج ۲ ص ۲۱۔

۴۔ ابراھیم فتحی، معجم المصطلحات الأدبیۃ، المؤسسۃ العربیۃ للناشرین المتحدین، تونس، ۱۹۸۶م، ص ۲۰۱۔۲۰۲

۶۔ الخطیب القزوینی، الایضاح فی علوم البلاغۃ، دار احیاء العلوم، بیروت، ۱۹۹۸ء، ص ۱۳

۶۔ یہ مقولہ مشہور شاعر حطیئۃ کے ایک شعر میں آیا ہے۔ ملاحظہ کیجیے: دیوان الحطیئۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۹۳ء، ص ۱۶۴

۷۔ ابن حزم، الاحکام فی اصول الاحکام، تحقیق احمد محمد شاکر، دار الآفاق الجدیدۃ بیروت، ۳/ ۱۱۸

۸۔ شاطبی، الموافقات فی اصول الشریعۃ، تحقیق: ابوعبیدۃ، دار ابن عفان، ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۷ء، ۴/ ۲۷

۹۔ ابن قیم الجوزیۃ، بدائع الفوائد، دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان، ج ۴، ص ۹

۱۰۔ صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب قول النبی ﷺ لمن ظلل علیہ واشتد الحر، حدیث ۱۹۴۶

۱۱۔ صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب، ما یتقی من شؤم المرأۃ: حدیث ۵۰۹۳

۱۲۔ صحیح البخاری، کتاب، الجہاد والسیر باب ما یذکر من شؤم الفرس، حدیث ۲۸۵۸

۱۳۔ صحیح البخاری، کتاب الطب، باب الطیرۃ، حدیث ۵۷۵۳، باب لا عدوی، حدیث ۵۷۷۲

۱۴۔ صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب ما یتقی من شؤم المرأۃ، حدیث ۵۰۹۴

۱۵۔ صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب ما یتقی من شؤم المرأة، حدیث ۵۰۹۵، کتاب الجہاد والسیر، باب ما یذکر من شؤم الفرس، حدیث ۲۸۵۹
۱۶۔ الطبری، تھذیب الآثار وتفصیل الثابت عن رسول اللہ ﷺ من الآخبار، تحقیق محمود محمد شاکر، مطبعة المدنی، القاھرة، ج ۳ ص ۳۲
۱۷۔ الالبانی، سلسلة الاحادیث الصحیحة وشیی من فقھھا وفوائدھا، مکتبة المعارف للنشر والتوزیع، ۱۹۹۵ء، ج ۱، ص ۸۴۰۔
۱۸۔ مسند احمد، مسند عائشہؓ، حدیث ۲۶۰۳۴
۱۹۔ صحیح البخاری، کتاب الصلاة، باب استقبال الرجل صاحبہ أو غیرہ فی صلاتہ وھو یصلی، حدیث: ۵۱۱، باب من قال لا یقطع الصلاة شیی، حدیث ۵۱۴، باب ھل یغمز الرجل امرأتہ عند السجود لکی یسجد، حدیث ۵۱۹، باب الصلاة الی السریر، حدیث ۵۰۸، باب: الصلاة علی الفراش، حدیث: ۳۸۲۔ باب التطوع خلف المرأة، حدیث ۵۱۳، کتاب العمل فی الصلاة، باب یا یجوز من العمل فی الصلاة، حدیث ۱۲۰۹
۲۰۔ صحیح مسلم، تحقیق محمد فؤاد عبد الباقی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، کتاب الصلاة، باب قدر ما یستر المصلی، حدیث: ۵۱۱۔
۲۱۔ صحیح البخاری، کتاب: الصلاة، باب: سترة الامام سترة من خلفہ، ح: ۴۹۵۔
۲۲۔ النووی، المنہاج شرح صحیح مسلم، دار احیاء التراث العربی، بیروت، طبع دوم، ۱۳۹۲ھ، ۴/ ۲۲۷۔۲۲۸
۲۳۔ بدر الدین عینی، عمدة القاری شرح صحیح البخاری، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۴/ ۲۹۶، فتح الباری، ۱/ ۵۸۷
۲۴۔ صحیح البخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب خلق آدم صلوات اللہ علیہ وذریتہ، حدیث: ۳۳۳۱۔
۲۵۔ صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب الوصاة بالنساء، حدیث: ۵۱۸۶۔
۲۶۔ ملاحظہ کیجیے، عز الدین السید، الحدیث النبوی الشریف من الوجھة البلاغیة، دار القراء بیروت ۱۹۸۴ء، طبع اول، ص ۸۰
۲۷۔ ابن فارس، الصاحبی فی فقہ اللغة العربیة ومسایلھا وسنن العرب فی کلامھا، ناشر: محمد علی بیضون، ۱۹۹۷ء/ ۱۴۱۸ھ، ص ۱۵۸
۲۸۔ امیمة بدر الدین، التکرار فی الحدیث النبویؐ، مقالہ در مجلہ جامعة دمشق، جلد ۳۶، شمارہ ۱۔ ۲،

۲۰۱۰ء، ص ٦٧

۲۹۔ شرف الدین الطیبی، شرح مشکوٰۃ المصابیح، تحقیق عبد الحمید الہنداوی، مکتبہ نزاد مصطفی الباز، مکہ مکرمہ و ریاض، سعودی عرب، ۱۹۹۷ء طبع اول، ۷/ ۲۳۲۶

۳۰۔ صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب المداراۃ مع النساء، حدیث: ۵۱۸۴

۳۱۔ ابن بطال، شرح صحیح البخاری، تحقیق ابوتمیم یاسر بن ابراھیم، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۲۰۰۳ء، طبع دوم، ج۹، ص ۳۰۵۔

۳۲۔ صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب ما یتقی من شؤم المراۃ، حدیث ۵۰۹٦

۳۳۔ تہذیب اللغۃ، مادۃ: ف ت ن۔

۳۴۔ مشارق الانوار علی صحاح الاثار، ۲/ ۲۸۰

۳۵۔ صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب کثرۃ النساء، حدیث، ۵۰٦۹

۳٦۔ صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب ما جاء فی صفۃ الجنۃ وانھا مخلوقۃ، حدیث ۳۲۴۱، ۵۱۹۸

۳۷۔ صحیح البخاری، کتاب النکاح، حدیث ۵۱۹٦۔ کتاب الرقاق، باب صفۃ الجنۃ والنار، حدیث ٦۵۴۷

۳۸۔ صحیح البخاری، کتاب مناقب الانصار، باب تزویج النبی خدیجۃ وفضلھا، حدیث ۳۸۱٦، ۳۸۱۹، ۳۸۲۰

۳۹۔ صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام، حدیث: ۳٦۲۴

۴۰۔ صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب کفران العشیر وکفر دون کفر، حدیث ۲۹۔ کتاب الکسوف، باب صلاۃ الکسوف جماعۃ، حدیث ۱۰۵۲، کتاب النکاح، باب کفران العشیر، حدیث ۵۱۹۷

۴۱۔ صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب کفران العشیر

۴۲۔ صحیح البخاری، کتاب الحیض، باب ترک الحائض الصوم، حدیث: ۳۰۴

۴۳۔ صحیح البخاری، حوالہ سابق

۴۴۔ بدر الدین عینی، عمدۃ القاری، ۳/ ۲۷۲

۴۵۔ ابن حجر، فتح الباری، ج:۱، ص ۴۰٦

۴٦۔ محمد علی الصابونی، من کنوز السنۃ: دراسات آدبیۃ ولغویۃ من الحدیث الشریف، مکتبۃ الاقصی، مکۃ المکرمۃ، ۱۹۷۰ء، ص ۱۵۴

۴۷۔ صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب کتاب النبی ﷺ الی کسری وقیصر، حدیث: ۴۴۲۵، ۷۰۹۹۔

۴۸۔ صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب کتاب النبیؐ الیٰ کسریٰ وقیصر، حدیث ۴۴۲۴

[ماخذ: سہ ماہی الدراسات الاسلامیہ، اسلام آباد (پاکستان) جلد ۵۱، شمارہ ۴، اکتوبر۔ دسمبر ۲۰۱٦ء]

تجارتی اشیاء کی پبلسٹی — اسلام کا نقطہ نظر

ڈاکٹر کمال اشرف قاسمی

عقائد و عبادات کی طرح معاملات بھی دین کا ایک اہم شعبہ ہے۔ جس طرح عقائداور عبادات کے بارے میں احکام و جزئیات بیان کیے گئے ہیں، اسی طرح شریعتِ اسلامی نے معاملات سے متعلق جزوی اور کلی تفصیلات فراہم کی ہیں اوران کے حلال وحرام، مکروہ وغیر مکروہ اور جائز وطیب ہونے کا ذکر قرآن و حدیث میں موجود ہے۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں:

وَأَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْ عَ وَحَرَّمَ الرِّبَا (البقرۃ: ۲۷۵)

(اللہ نے خرید وفروخت کوحلال کیاہےاورسود کوحرام۔)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلوٰۃُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيراً لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُون (الجمعۃ:۱۰)

(پھر جب نماز ختم ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرواور اللہ کو بہت زیادہ یاد کرو، تاکہ تمہارا بھلا ہو۔)

طلب الحلال واجب علی کلّ مسلم۔ [۱]

(حلال روزی تلاش کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔)

ایک دوسری حدیث میں مذکور ہے:

طلب کسب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ۔ [۲]

(حلال رزق کمانا بھی دیگر فرض کی طرح فرض ہے۔)

ایک حدیث حضرت مقدامؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ماأکل أحد طعاماً قط خیراً من أن یأکل من عمل یدہ، وان نبی اللہ داؤد علیہ السلام کان یأکل من عمل یدہ۔ ۳ے

(آدمی کا اپنے ہاتھ کا کمایا ہوا کھانا سب سے بہتر ہے۔ اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام بھی اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔)

تجارت کسبِ معاش کا بہترین ذریعہ ہے۔ اگر تجارت شرعی اصول کے مطابق کی جائے تو وہ دنیوی اعتبار سے بھی نفع بخش ہوگی اور اخروی اعتبار سے بھی بڑے اجر وثواب کا موجب ہوگی۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

التاجر الصدوق الامین مع النبیین و الصدیقین و الشھداء۔ ۴ے

(سچا اور مانت دار تاجر [روز قیامت] انبیاء، صدقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا)

انسان کی فطرت میں داخل ہے کہ وہ فائدے کی چیز کو ترقی دینا اور اس میں دوسروں سے آگے بڑھنا چاہتا ہے۔ لہٰذا تاجر کی بھی یہی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی تجارت بامِ عروج پر پہنچ جائے۔ اس کے لیے وہ اشتہار (Advertisement) کا سہارا لیتا ہے، خواہش رکھتا ہے کہ اپنی تجارت کو عوام الناس کے سامنے کیسے بہتر ڈھنگ سے پیش کرے کہ وہ اس کی مصنوعات (Products) خریدیں۔

اشتہار کا مطلب ہے کہ کسی بھی ذریعے سے لوگوں کو اپنی مصنوعات (Products) یا خدمات (Services) کے بارے میں مطلع کیا جائے تاکہ ان کی دلچسپی میں اضافہ ہو اور وہ زیادہ سے زیادہ ان چیزوں کو خریدیں یا ان خدمات کو حاصل کریں۔

اشتہاری ذرائع

اشتہار کے لیے عموماً ایسے ذرائع ابلاغ کو استعمال کیا جاتا ہے جن کے ذریعے جلد از جلد اور زیادہ سے زیادہ لوگوں تک مصنوعات کا تعارف ہوجائے۔ اس کے لیے ایسا اسلوب اور طریقہ اختیار کیا جاتا ہے جو مؤثر ترین ہو، مثلاً پرنٹ میڈیا، جیسے اخبارات، جرائد و رسائل اور پمفلٹ وغیرہ میں اشتہارات دیے جاتے ہیں، جو ہر روز

لاکھوں لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچتے ہیں۔ اسی طرح الکٹرانک میڈیا، جیسے ٹی وی، ریڈیو اور انٹرنیٹ وغیرہ پر مصنوعات کی تعریف کے لیے عبارت، مکالمہ یا کوئی شارٹ فلم بنا کر پیش کی جاتی ہے، جسے کروڑوں لوگ دیکھتے اور سنتے ہیں ــ اس کے علاوہ اشتہار کے لیے سائن بورڈ (Sign Board) کا بھی استعمال کیا جاتا ہے، جسے کسی ایسی جگہ نصب کیا جاتا ہے جہاں سے کثیر تعداد میں لوگوں کا گزر ہو، جیسے سڑکوں کے کنارے، یا چوراہوں میں بڑی بڑی عمارتوں پر یا بازاروں میں۔ اس کے علاوہ دیگر واسطوں جیسے کیلنڈر اور ڈائری وغیرہ کو بھی پبلسٹی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

اشتہار کے اقتصادی اثرات

مصنوعات کی پبلسٹی اور اقتصادی ترقی کے لیے اشتہار مؤثر ترین وسیلہ ہے، جو کمپنی کی مصنوعات کی مانگ بڑھانے، ان کو پھیلانے اور بیچنے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح کبھی کبھار نئی مصنوعات پر ضخیم سرمایہ خرچ کیا جاتا ہے۔ انہیں متعارف کرانے اور صارفین کی نظر میں انہیں وقعت دینے میں تشہیر کا بڑا موثر کردار ہوتا ہے۔ بسا اوقات اشتہار کے بغیر نئی پروڈکٹ کو ترویج نہیں ملتی اور کمپنی خسارے کا شکار ہو جاتی ہے۔

دوسری طرف اشتہار کا فائدہ اخبارات، رسائل اور میڈیا والوں کو بھی پہنچتا ہے، جن کی اکثر آمدنی اشتہارات کے معاوضہ کی صورت میں ہوتی ہے۔ اگر دیکھا جائے تو اس میں عوام کا بھی فائدہ ہے، کیوں کہ اگر پرنٹ میڈیا یا الکٹرانک میڈیا والے اشتہار کا معاوضہ نہ لیتے تو اخبارات و رسائل اور دیگر ذرائع ابلاغ اتنے سستے اور کم قیمت میں لوگوں تک نہ پہنچتے۔ اسی طرح مختلف انواع کی مصنوعات میں فرق اور ان کی دست یابی کے مقامات اور بنانے والوں کے بارے میں معلومات اشتہارات کے وسیلے ہی سے حاصل ہوتی ہیں اور ہر فرد کو اپنی وسعت کے مطابق ضرورت کی چیزوں تک رسائی ہو جاتی ہے۔ اگرچہ اشتہار کا ایک منفی پہلو یہ بھی ہے کہ بعض ادارے اور کمپنیاں اشتہاروں پر حد سے زیادہ سرمایہ خرچ کرتی ہے اور اس سلسلے کے سارے اخراجات وہ پروڈکٹ کی قیمت میں شامل کر لیتی ہیں، جس کی وجہ سے چیزیں مہنگی ہو جاتی ہیں۔ اگر

اس سلسلے میں میانہ روی سے کام لیا جائے تو یہ خرابی بہت حد تک کم ہو سکتی ہے۔

اشتہار کے شرعی حدود

مصنوعات (Products) کو فروخت کرنے اور خدمات (Services) کے لیے ان کی پبلسٹی کرنا، تاکہ وہ لوگوں کے علم میں آجائیں اور اگر وہ ان کو فراہم کرنا چاہیں تو حاصل کر سکیں، بذات خود جائز، بلکہ مستحسن ہے۔ متعدد احادیث سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

حضرت انسؓ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ ایک صحابی، جن کا نام زاہر تھا، دیہات میں رہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ سے ان کے روابط تھے۔ وہ آپؐ کے لیے دیہات سے ہدایا لایا کرتے اور جواب میں آپؐ بھی انہیں تحفے تحائف سے نوازتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ بازار میں کوئی سامان فروخت کر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ ادھر سے گزرے تو انہیں پیچھے سے پکڑ لیا کہ وہ آپ کو دیکھ نہ سکیں۔ وہ کہنے لگے: مجھے چھوڑو۔ کون ہے؟ مڑ کر دیکھا تو نبی ﷺ تھے۔ تب وہ اپنی پیٹھ آپؐ کے سینے سے رگڑنے لگے۔ آپؐ نے انہیں پکڑ کر فرمایا: کون اس غلام کو خریدے گا؟ انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میری زیادہ قیمت نہیں لگے گی۔ رسول اللہؐ نے فرمایا: لیکن اللہ کے نزدیک تم بڑے قیمتی ہو۔ ۵

اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک مرتبہ کوفہ کے بازار میں اپنی تلوار لہرا کر اعلان کیا: ''کون ہے جو مجھ سے یہ تلوار خریدے گا؟'' ۶

شیخ یٰسین بن طٰہٰ نے پبلسٹی کے جواز پر یہ دلیل دی ہے:

> الاعلان والدعاية فيهما شبه بعمل الدلال، وهو من يعرف بمكان السلعة وصاحبها، وينادى فى الأسواق عليها، وقد أجاز اهل العلم عمل الدلال، جرى على ذلك عمل المسلمين، ولم ينقل انكاره عن أحد من أهل العلم. وهذا يدّل على أنها أى الدلالة من الأعمال المشروعة الرائجة المتوارثة بلانكير۔ ۷

(اعلان اور پبلسٹی کا کام ایک طرح سے ایجنٹ کے عمل کے مشابہ ہے، کیوں کہ ایجنٹ بھی مصنوعات (Products) کی صفات بیان کرتا ہے، گاہک کو ترغیب دے کر مصنوعات کے دست یاب ہونے کے مقامات کی طرف راہ نمائی کرتا ہے اور فروخت کنندہ کے لیے خریدار مہیا کرتا ہے۔ اشتہار کا بنیادی مقصد بھی تقریبا یہی ہے۔ ایجنٹ کے کام کے جائز ہونے پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کا شمار جائز کاموں میں ہوتا ہے۔ اس پر کبھی نکیر نہیں کی گئی۔)

مصنوعات کی خوبیاں اور خرابیاں

یہ بات تو اپنی جگہ درست ہے کہ اشتہارات دنیا میں مصنوعات اور خدمات وغیرہ کی ترویج کا اہم وسیلہ ہیں اور یہ چیز سماج کی ایک بنیادی ضرورت بن چکی ہے، لیکن اشتہارات کی ایک بڑی تعداد فحاشی، موسیقی اور اس جیسی دیگر شرعی خرابیوں پر مشتمل ہوتی ہے۔

اشتہار کے جواز کی سب سے پہلی اور بنیادی شرط یہ ہے کہ جن مصنوعات کی پبلسٹی مقصود ہو وہ حلال ہوں، اشتہار کے وقت کسی چیز کی محض اطلاع دینا مقصود ہوتا ہے۔ اس صورت میں یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کے عیوب کا بھی ذکر کیا جائے، البتہ جب عملاً خرید و فروخت کا معاملہ ہو رہا ہو تو اس وقت خریدار کو اس کے عیوب کے بارے میں بتانا ضروری ہے۔

لیکن اگر پبلسٹی کے ذریعہ کسی چیز کا مکمل تعارف کرانا بھی مقصود ہو، جس میں اس چیز کی خصوصیات (Characteristics) اور فوائد کا ذکر کیا جا رہا ہو تو اس کی درست صفات (Original Qualities) کا تذکرہ ضروری ہے۔ جھوٹ بول کر اس کی کسی ایسی کوالٹی کا ذکر کرنا جائز نہ ہوگا جو درحقیقت اس میں پائی ہی نہ جاتی ہو۔ اس وقت اس چیز کے اندر پائے جانے والے عیوب کا حقیقت پسندی سے تذکرہ کرنا از حد ضروری ہوگا۔ کیوں کہ اگر اس وقت اس کے عیوب نہ بتائے گئے تو خریدار اس کے صرف فوائد دیکھ کر اسے خرید لے گا، جس کی وجہ سے اس کو دھوکہ ہوگا اور شریعت میں اس کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔ ۸؎

اشتہار میں تصاویر اور انسانی اعضاء کی نمائش

غیر جان دار چیز (جیسے درخت پہاڑ وغیرہ) کی تصویر دکھانا بلا شبہ جائز ہے۔ جہاں تک جان دار کی تصویر کے استعمال کا معاملہ ہے تو اس کا حکم جاننے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ ذرائع ابلاغ دو قسم کے ہیں: ایک وہ ذرائع ہیں جن میں اشتہار کا کوئی پرنٹ نہیں نکالا جاتا، جیسے سی سی ٹی وی، کمپیوٹر وغیرہ۔ ذرائع کی دوسری قسم وہ ہے جس میں اشتہار کا باقاعدہ پرنٹ نکال کر شائع کیا جاتا ہے۔ مثلاً اخبارات ورسائل اور سائن بورڈ وغیرہ کے اشتہارات۔ دونوں قسموں کا حکم الگ الگ ہے۔

الکٹرانک میڈیا کے واسطے سے پبلسٹی کرتے وقت کسی جانور یا انسان کی تصویر دکھانا جائز ہے، بشرطے کہ انسان کا ستر عریاں نہ ہو۔ اب اگر مرد کی تصویر ہے تو اس کی ناف سے لے کر گھٹنوں تک کا حصہ ستر میں شامل ہوگا۔ اگر عورت کی تصویر ہے تو اس کے جسم کا کوئی بھی حصہ دکھانا جائز نہیں ہے، البتہ ضرورت کے وقت اس کے ہاتھ اور پاؤں دکھائے جا سکتے ہیں۔ ۹

پرنٹ میڈیا اور سائن بورڈ کے اشتہارات کی تصویر کے بارے میں عورت کی تصویر کا وہی حکم ہے جو پہلے گزر چکا۔ اس قسم کے اشتہارات میں مرد، بلکہ کسی بھی جان دار کے چہرے کی تصویر بنانا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ تصویر کا اصل مدار چہرے پر ہے، لہٰذا جو تصویر سر والی ہو، جس میں کان، ناک اور آنکھ وغیرہ اعضاء صاف بنے ہوئے ہوں، وہ حرام ہے۔ اگر تصویر میں سر نہ ہو، یا سر ہو، مگر اس میں آنکھ، کان، ناک صاف بنے ہوئے نہ ہوں، بلکہ یہ اعضا مٹے ہوئے ہوں، یا سر کے اوپر کوئی چیز لگا کر اس کو چھپا یا گیا ہو، یا پوری تصویر نہ ہو، بلکہ تصویر کے اعضاء میں سے کوئی ایک عضو ہو، مثلاً صرف آنکھ، کہنی، ہاتھ، بازو، پیر، پیٹھ وغیرہ، یا پشت کی جانب سے لی گئی تصویر ہو، جس میں چہرہ سامنے نہ ہو تو ایسی تصویر شرعاً ممنوع نہیں ہے، بشرطے کہ مرد کی ہو۔ ۱۰

شریعت کی پاس داری

اشتہارات کے سلسلے میں حکومت وقت نے جن قوانین کی پابندی کو لازم قرار دیا ہے، ان کی پاس داری ضروری ہے۔ کیوں کہ اگر حکومت عوامی مصلحت کے لیے کوئی جائز قانون بنائے ،جس کے ساتھ مملکت کے عوام کی مصلحت وابستہ ہو تو عوام کے لیے شرعاً اس کی پابندی ضروری ہے اور اس کی خلاف ورزی جائز نہیں۔ خلاف ورزی کرنے والا گنہ گار ہوگا۔ ال۔

منکرات سے احتراز

پبلسٹی کے وقت جس طرح جھوٹ اور دھوکہ سے اجتناب کرنا لازم ہے۔ اسی طرح موسیقی اور گانوں سے بچنا بھی ضروری ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ پبلسٹی میں عورت کی آواز نہ ہو۔ اگرچہ عورت کی آواز فی نفسہ پردہ میں داخل نہیں ہے، لیکن شرعاً یہ بات ناپسند کی گئی ہے کہ عورتیں بلاضرورت اپنی آواز غیر محرم مردوں تک پہنچائیں۔

اشتہار میں مبالغہ آرائی

کسی پروڈکٹ کی پبلسٹی کے لیے ایسا مبالغہ جائز نہیں ہے جو حقیقت کے خلاف اور جھوٹ کے زمرے میں آتا ہو اور خریداروں کو اس سے دھوکہ ہو سکتا ہو، مثلاً اگر کسی دوا سے درد ختم ہونے میں دو چار گھنٹے لگ جاتے ہوں، یا اس دوا کو دو چار دفعہ استعمال کرنا پڑتا ہو تو اس کے بارے میں یہ کہنا کہ اس سے درد فوراً ختم ہو جائے گا، درست نہیں ہے، البتہ اگر ایسے الفاظ استعمال کیے جائیں جو بہ ظاہر مبالغہ آمیز نظر آرہے ہوں، لیکن وہ جھوٹ کے زمرے میں نہ آتے ہوں تو اس کی گنجائش ہے۔ جیسے ایئر کنڈیشنز کے بارے میں یہ کہا جائے کہ 'گرمیوں میں سردی کا مزہ' وغیرہ پبلسٹی کے لیے فرضی کہانی (ریلسٹک) بنانے کا بھی یہی حکم ہے کہ وہ جھوٹ پر مبنی نہ ہو اور کہانی میں جن فوائد وخصوصیات کو بیان کیا جائے وہ واقعی ان مصنوعات میں پائی جارہی ہوں تو ایسی کہانی بنانے کی گنجائش ہے۔ ۱۲ ۔

حواشی ومراجع

۱۔ المعجم الاوسط للطبرانی ۷۸۸۳/ ۸۶۱۰، کنزالعمال، ۵/ ۴۔۴۰۲۰

۲۔ رواہ البیہقی عن ابن مسعود والطبرانی فی الاوسط من حدیث أنس

۳۔ صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب کسب الرجل وعملہ بیدہ، ۱۹۸۸ ۴۔ ترمذی، ۱۲۵۲

۵۔ مسند ابی یعلیٰ، ۶/ ۱۷۳، حدیث نمبر، ۳۴۵۶، مسند احمد، ۳/ ۱۶۱، حدیث نمبر ۱۲۶۶۹ البیہقی، ۱۰/ ۲۴۸، الذہبی نے المہذب (۸/ ۴۲۶۹) میں لکھا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔علامہ ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ (۶/ ۴۸) میں لکھا ہے: اس کے راوی صحیحین (بخاری مسلم) کی شرط پر ثقہ ہیں۔ ہیثمی نے مجمع الزوائد (۹/ ۳۷۱) میں لکھا ہے: اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔علامہ البانی نے بھی تخریج مشکاۃ المصابیح (۴۸۱۵) میں اس کو شیخین کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے۔

۶۔ حلیۃ الاولیاء، ابونعیم اصبہانی علی بن ابی طالب، حدیث نمبر ۲۵۲، الامعجم الاوط، ۱۹۸۷

۷۔ المعاملات المالیۃ المعاصرۃ فی الفکر الاقتصادی الاسلامی ص: ۶۷

۸۔ تجارتی کمپنیوں کا لائحۂ عمل، ص ۲۳۹ ۹۔ تکملۃ فتح الملہم، ۴/ ۱۶۴

۱۰۔ جوھر الفقہ، ۷/ ۲۳۱ ۱۱۔ تکملۃ فتح الملہم، ۳/ ۳۲۳

۱۲۔ تجارتی کمپنیوں کا لائحۂ عمل، ص ۲۴۲

عصر حاضر میں اسلام کے علمی تقاضے

مولانا سید جلال الدین عمری

یہ مولانا کے ان مقالات کا مجموعہ ہے جو مختلف اوقات میں سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ اور ماہ نامہ زندگی نو نئی دہلی میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ان مقالات میں واضح کیا گیا ہے کہ اگر ہم چاہتے ہیں کہ دنیا اسلام کی طرف متوجہ ہو اور اس کی حقانیت تسلیم کرے تو ہمیں اس کے لیے بھر پور علمی اور فکری تیاری کرنی ہوگی اور اسلام کی روشنی میں موجودہ دور کے مسائل کا حل پیش کرنا ہوگا۔امید ہے کہ ان مقالات سے فکر ونظر کو تحریک ملے گی اور یہ اسلامی تحقیق کے عمل کو آگے بڑھانے میں معاون ثابت ہوں گے۔

صفحات: ۸۰ قیمت: ۵۲

حضرت شقیق بلخیؒ اور ان کی تعلیمات

ڈاکٹر محمد مشتاق تجاروی

حضرت شقیق بلخی (م ۱۹۴ھ) ابتدائی عہد کے اجلّہ صوفیہ میں سے ہیں۔ ان کا شمار تصوف کی تاریخ میں نظریہ ساز صوفیہ میں ہوتا ہے۔ ابوعبدالرحمن السلمی نے لکھا ہے کہ خراسان کے علاقے میں سب سے پہلے شقیق بلخی نے علم الاحوال کے بارے میں گفتگو کی۔ زہد و عبادت کے ساتھ ساتھ انھوں نے بھرپور سیاسی و سماجی زندگی گزاری۔

مختصر احوال

حضرت شقیق بلخی خراسان کے شہر بلخ کے رہنے والے تھے۔ ان کا نسبی تعلق قبیلۂ ازد سے تھا، اس لیے 'ازدی' کہلاتے تھے۔ ابوعلی کنیت تھی۔ ابتدا میں بہت دولت مند تھے۔ ان کے پوتے علی بن محمد بن شقیق روایت کرتے ہیں:

> ''میرے دادا شروع میں بہت امیر تھے۔ ان کے پاس تین سو گاؤں کی جاگیر تھی۔ تجارت بھی کرتے تھے اور اس سلسلے میں مختلف علاقوں کے اسفار کرتے رہتے تھے۔ بعد میں تصوف و سلوک کی طرف مائل ہوئے تو ساری دولت غریبوں میں تقسیم کر کے زہد کی راہ اختیار کر لی۔''[۱]

تصوف اور زہد کی طرف حضرت بلخیؒ کی طبیعت کے میلان کے سلسلے میں کئی واقعات ملتے ہیں۔ ایک دفعہ وہ تجارت کے سلسلے میں 'ترکوں' (غیر مسلم ترک مراد ہیں) کے علاقے میں گئے ہوئے تھے۔ جس بستی میں یہ مقیم تھے وہاں کے لوگ بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ حضرت شقیق ایک مرتبہ ان کے عبادت خانے میں گئے۔ وہاں دیکھا کہ ان لوگوں کے مذہبی پیشوا سر اور داڑھی کے بال منڈوائے ہوئے سرخ ارغوانی رنگ کے کپڑے پہنے

ہوئے ہیں (غالباً بدھ مذہب کے پیروکار ہوں گے)۔حضرت شقیق نے ان سے کہا کہ تم لوگ اپنے بنائے ہوئے ان بتوں کی پوجا کرتے ہو، یہ غلط طریقہ ہے۔ جن چیزوں کو تم پوجتے ہوان کا بھی اور تمھارا بھی خالق ایک ہی ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور ہر ایک کو رزق دینے والا ہے۔ پھر تم ایسے معبود کو چھوڑ کر ان بتوں کی پوجا کیوں کرتے ہو؟ عبادت خانے کے خادم نے کہا کہ تمہارے قول اور عمل میں تضاد ہے۔ انھوں نے دریافت کیا: کیسے؟ اس نے جواب دیا: ''اگر تم یہ مانتے کہ تمھارا ایک ہی خالق و رازق ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، تو تم طلبِ رزق میں یہاں نہ آتے۔ جو تمھیں یہاں رزق دے رہا ہے وہ تمہارے مقام پر بھی دیتا اور تم سفر کی اس مصیبت سے بچے رہتے۔'' اس گفتگو کا حضرت شقیق پر بڑا اثر ہوا۔ خود فرماتے ہیں کہ میرے زہد کا سبب اس 'ترکی' کا یہ کلام ہے۔ اس کے بعد وہ واپس آئے اور سارا مال و منال صدقہ کر کے طلب علم میں لگ گئے۔ ۲؎

ابن الملقن نے طبقات الاولیاء میں ایک اور واقعہ لکھا ہے، لیکن بظاہر اس کی صحت میں ان کو بھی شک ہے۔ ایک دفعہ قحط کے زمانے میں شقیقی بلخیؒ نے ایک غلام کو دیکھا، جو بہت موج مستی کر رہا تھا۔ (**یلعب و یمرح**) انھوں نے اس کو ڈانٹا کہ لوگ قحط کی مصیبت میں مبتلا ہیں اور تو موج مستی کر رہا ہے۔ اس نے کہا: ''مجھے اس قحط کی پروا نہیں، چوں کہ میرے مالک کے پاس ایک گاؤں ہے، جہاں سے ضرورت کی ہر چیز آجاتی ہے، پھر میں اس قحط سالی کی فکر کیوں کروں۔'' انھوں نے سوچا کہ اس غلام کا مالک خود ایک مخلوق ہے، لیکن اس پر اس کو اتنا بھروسہ ہے، جب کہ میرا مالک تو تمام غنیوں کا غنی ہے۔ جب یہ شخص ایک گاؤں کے مالک کے اپنے آقا پر اتنا بھروسہ کر رہا ہے تو میں سارے عالم کے مالک کی غلامی کا دعوے دار ہو کر بھی کیوں پریشاں پھروں؟ اس کے بعد انھوں نے اپنا سارا اثاثہ ترک کر دیا اور عبادت میں لگ گئے۔ ۳؎

امام قشیری نے اپنے رسالے القشیریہ میں اسی جیسا ایک اور واقعہ لکھا ہے۔ ان واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ شقیق بلخی کا رجحان زہد و عبادت کی طرف ایسے واقعات کی بنا پر ہوا تھا جن میں طلب رزق کی خصوصی اہمیت تھی، چنانچہ ان کے یہاں غالب رجحان توکل کا ہے، حتی کہ ان کے بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ ان کا سارا کلام توکل کے بارے میں ہے۔ ۴؎

شقیق بلخی شروع میں بڑے عیش وآرام کی زندگی بسر کرتے تھے۔ بہترین لباس زیب تن کیے رہتے، نمود ونمائش کا بڑا شوق تھا۔ خود فرماتے ہیں: کُنْتُ مُرَائِیاً (میں نمود و نمائش کا شوقین تھا)۔ وہ کتے پالنے کے بھی بڑے شوقین تھے۔ پھر ان کی زندگی میں انقلاب آیا اور وہ عابد وزاہد بن گئے۔ امام قشیری نے ابو عبد الرحمن السلمی کے حوالے سے ان کے دورِ امارت کا ایک قصہ اس طرح نقل ہے کہ حاتم اصم کہتے ہیں: ''شقیق بن ابراہیم پہلے بہت دولت مند تھے۔ زندگی کج کلاہی میں بسر کرتے تھے۔ ان کے گرد خوش فکروں کی بھیڑ رہتی تھی۔ اس وقت بلخ کا حاکم علی بن عیسی بن ماہان تھا۔ اس کو بھی کتے پالنے کا شوق تھا اور اس کے پاس بہت سے تربیت یافتہ کتے تھے۔ ایک مرتبہ اس کا ایک شکاری کتا گم ہو گیا۔ بڑی تلاش کے بعد بھی نہیں ملا۔ کسی نے جھوٹی شکایت کی کہ یہ کتا فلاں شخص کے پاس ہے، جو حضرت شقیق کے پڑوس میں رہتا تھا۔ جب اس شخص کی تلاش ہوئی تو اس نے بھاگ کر حضرت شقیق کے گھر میں پناہ لی۔ وہ حاکم کے پاس گئے اور کہا: کتا میرے پاس ہے، لہٰذا میرے پڑوسی کا پیچھا نہ کرو۔ میں تین دن کے اندر کتا تمھیں دے دوں گا۔ چنانچہ اس شخص کی تلاش روک دی گئی۔ شقیق بلخیؒ واپس آئے تو بہت فکر مند تھے، یہاں تک کہ تیسرا دن بھی آ گیا۔ ان کا ایک دوست بلخ سے کہیں گیا ہوا تھا اور اب بلخ واپس آ رہا تھا۔ راستے میں اسے ایک کتا ملا، جس کے گلے میں پٹا پڑا ہوا تھا۔ اس نے اسے پکڑ لیا اور اس خیال سے کہ حضرت شقیق کتوں کے شوقین ہیں، ان کو بطور تحفہ دے گا۔ اتفاق سے وہ حاکم بلخ کا ہی کتا تھا۔ انھوں نے وہ کتا امیر کو دے کر اپنی ضمانت چھڑائی۔ ۵؎

شقیق بلخی کے ایک مربی حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کا ایک واقعہ بہت مشہور ہے۔ ایک مرتبہ شقیق بلخی حج کو گئے۔ وہاں حضرت ابراہیم بن ادہم سے ملاقات ہوئی۔ ابراہیم نے ان سے پوچھا کہ آپ نے زہد وتوکل کا طریقہ کہاں سے سیکھا؟ شقیق نے بتایا کہ ایک مرتبہ میں تجارت کے لیے جا رہا تھا۔ ایک جگہ ایک چڑیا دیکھی، جس کے پنکھ ٹوٹے ہوئے تھے اور وہ ایک ویران جگہ پڑی تھی— میں نے سوچا کہ دیکھوں، اس کو کھانا کہاں سے ملتا ہے؟ اسی اثنا میں ایک دوسری چڑیا آئی۔ اس کی چونچ میں دانا تھا۔ اس نے وہ دانہ اس چڑیا کی چونچ میں رکھ دیا۔ مجھے اس نظارے سے عبرت ہوئی اور میں واپس آ کر عبادت

میں لگ گیا۔ ابراہیم بن ادہمؒ نے یہ سن کر شقیق سے کہا: تم نے وہ چڑیا بننا پسند کیوں نہیں کیا جس نے اس پر بریدہ چڑیا کو دانا دیا تھا۔ اس طرح تم اس سے افضل ہو جاتے۔ کیا تم نے سنا نہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے: 'اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے افضل ہوتا ہے۔ (مسند احمد) مومن کی پہچان یہ ہے کہ وہ ہر معاملہ میں دو درجوں میں سے اعلیٰ درجہ کا انتخاب کرے۔ اس طرح وہ ابرار کے درجے کو پہنچ جاتا ہے۔ حضرت شقیق نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس کو بوسہ دے کر کہا کہ آج سے آپ میرے استاد ہیں۔ ٦؎

حضرت شقیق کے راہ زہد اختیار کرنے کے سلسلہ میں یہ چند واقعات ہیں۔ ان میں انتساب کی غلطی کا امکان تو ہے، لیکن ان میں بظاہر کوئی بڑا تضاد نہیں ہے۔ ممکن ہے یہ سب واقعات پیش آئے ہوں اور ان کے مجموعی تاثر سے انھوں نے ترک دنیا کر کے زہد کی راہ اختیار کی ہو۔

اساتذہ

شقیق بلخی نے فقہ کی تعلیم امام زفرؒ سے حاصل کی اور راہ سلوک کے رموز سفیان ثوریؒ، عباد بن کثیرؒ اور اسرائیلؒ سے سیکھے۔ وہ خود فرماتے ہیں: ''میں نے لباس کی سادگی سفیان ثوریؒ سے، خشوع وخضوع اسرائیلؒ سے اور عبادت کا ذوق عباد بن کثیرؒ سے سیکھا اور فقہ کی تعلیم امام زفرؒ سے حاصل کی۔'' ان کے استادوں میں ایک نام کثیر بن عبداللہ الایلیؒ کا بھی ہے۔ ۷؎ مناویؒ نے لکھا ہے کہ انھوں نے فقہ کی تعلیم امام ابوحنیفہؒ سے حاصل کی تھی۔ ۸؎ امام ابن الملقن نے بھی صراحت کی ہے کہ شقیق بلخیؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے حدیث پڑھی تھی۔ ۹؎

مرید

شقیق بلخیؒ کے تلامذہ کی تعداد بہت تھی۔ ان کے ساتھ بعض اوقات تین تین سو مرید ہوا کرتے تھے۔ ان کے مشہور تلامذہ اور مریدوں میں حاتم الاصم، عبدالصمد بن مردویہ، محمد بن ابان المستملی اور حسین بن داؤد البلخی ہیں۔ ۱۰؎

شقیق بلخیؒ نے راہ سلوک میں بڑی مشکلات اٹھائیں۔ انھوں نے خود اس کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: ''میں نے جب توکل کی راہ اختیار کی تو میرے پاس تین

لاکھ کا اثاثہ تھا۔ میں نے سب چھوڑا، اونی کپڑے پہنے اور بیس سال تک ایک مدہوشی کی سی کیفیت میں رہا۔ مجھے کچھ ہوش نہیں رہتا تھا۔ مجھے معلوم ہی نہیں چلتا تھا کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ جب میری ملاقات عبدالعزیز بن ابی الرواد سے ہوئی تو انھوں نے مجھ سے کہا: ''اے شقیق! جو کی روٹی کھانا اور اون یا بالوں کے کپڑے پہننا کوئی کمال کی بات نہیں ہے۔ کمال کی بات یہ ہے کہ تم اللہ کی معرفت حاصل کرو، صرف اسی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔'' میں نے ان سے کہا: ''میں آپ کی بات صحیح طرح نہیں سمجھا۔ مزید وضاحت کریں۔ انھوں نے فرمایا: ''تم جو عمل بھی کرو وہ سب خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہو۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: **فَمَن كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا** (الکہف، ص:۱۱۰) ۱۱؎ (پس جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کا امید وار ہو اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور بندگی میں اپنے رب کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کرے۔) حلیۃ الاولیاء میں ہے کہ انھوں نے دوسری شرط یہ بتائی کہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو جاؤ اور تیسری یہ کہ تمھارا بھروسہ جو کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے اس پر زیادہ ہونا چاہیے بہ مقابلے اس کے جو لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ ۱۲؎

حضرت شقیقؒ کے اس سفر سلوک میں ان کی فکر کا محور قرآن مجید رہا۔ ایک مرتبہ انھوں نے فرمایا: میں نے بیس (۲۰) سال قرآن مجید پر غور کیا تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ دنیا وآخرت کا فرق صرف دو جملوں میں ہے: **فَمَا أُوتِيتُم مِّن شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا وَمَا عِندَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ**۔ الشوریٰ: ۳۶۔ (جو کچھ بھی تم لوگوں کو دیا گیا ہے وہ محض دنیا کی چندروزہ زندگی کا سروسامان ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہتر بھی ہے اور پائیدار بھی۔ وہ ان لوگوں کے لیے ہے جو ایمان لاتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں) ۱۳؎

امام جعفر اور شقیق بلخی

امام قشیریؒ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ شقیق بلخیؒ نے ایک مرتبہ امام جعفر صادقؒ سے سوال کیا کہ فتوۃ (شرافت یا جواں مردی) کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا: ''پہلے تم بتاؤ، تم اس سے کیا سمجھتے ہو؟ شقیقؒ نے کہا: ''ہمارے نزدیک فتوۃ یہ ہے کہ اگر ہمیں کچھ ملتا

ہے تو شکر کرتے ہیں اور نہیں ملتا تو صبر کرتے ہیں۔ جعفر صادقؒ نے فرمایا: ''مدینہ میں کتے بھی یہی کرتے ہیں، یعنی اس میں کیا خوبی ہے؟ حضرت شقیقؒ نے کہا: اے رسول اللہ کے نواسے! پھر آپ ہی بتائیے، فتوۃ کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا: ہمارے نزدیک فتوۃ یہ ہے کہ اگر ہمیں کچھ مل جائے تو دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں اور اگر نہ ملے تب بھی شکر کرتے ہیں۔ ۱۴؎

ابن الملقن نے بھی طبقات الاولیا میں یہ واقعہ درج کیا ہے، لیکن اس میں جعفر صادق کی جگہ ابراہیم بن ادہم کا نام ہے۔ ۱۵؎ اگرچہ سند کے اعتبار سے پہلی روایت زیادہ بلند ہے، کیوں کہ امام قشیری متقدم ہیں، لیکن درایۃً دوسری روایت زیادہ معتبر معلوم ہوتی ہیَ کیوں کہ ابراہیم بن ادہم شقیق بلخی کے استاد ہیں۔ غالباً انھوں نے تربیت کے لیے ان سے اس طرح کا سوال کیا ہوگا، جب کہ امام جعفر صادق سے ان کی ملاقات کسی اور ذریعہ سے ثابت نہیں اور اگر ثابت بھی ہو جائے تو ان کے درمیان عمر کا فرق اتنا زیادہ ہے کہ بظاہر اس قسم کا مکالمہ نہیں ہوسکتا۔ امام جعفر صادقؒ کی وفات شقیق بلخی کی وفات سے چھیالیس (۴۶) سال قبل ۱۴۸ھ میں ہو چکی تھی – اس لیے ہوسکتا ہے کہ 'الرسالہ' میں واقعہ نقل کرتے ہوئے ابراہیم بن ادہم کی جگہ امام جعفر صادق کا نام شامل ہو گیا ہو۔ صوفیہ کرام کے تذکروں میں ایسا ہو جاتا ہے۔ خود الرسالہ میں ایسی تصحیف کی ایک مثال آگے آ رہی ہے۔ ابن الملقن چوں کہ بہت بڑے محدث ہیں، صحیح بخاری کے شارح ہیں، اس لیے انھوں نے واقعہ اور سند کی چھان محدثانہ شان سے ہی کی ہوگی۔

سفیان ثوری کی خدمت میں

شقیق بلخیؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سفیان ثوریؒ سے ملاقات کی اور لباس کی سادگی ان سے سیکھی۔ انھوں نے ازار پہن رکھا تھا، جس کی قیمت چار درہم تھی۔ جب وہ پالتی مار کر بیٹھتے یا اپنے پیر پھیلاتے تو ازار چھوٹا ہونے کی وجہ سے ان کا ستر کھلنے کا اندیشہ ہوتا تھا۔ ۱۶؎

روایتِ حدیث میں مرتبہ

حافظ ذہبیؒ نے **العبر فی خبر من غبر** میں بحیثیت راوی شقیق بلخی کو ضعیف لکھا ہے۔ ۱۷؎ ان کی روایات کو محدثین نے عام طور پر قبول نہیں کیا ہے۔ ابن الملقن نے

لکھا ہے کہ شفیق بلخیؒ نے امام ابوحنیفہ سے حدیث روایت کی۔ ۱۸؎ ابوعبدالرحمن السلمی نے ان کی سند سے دو احادیث روایت کی ہیں، ان میں سے ایک عباد بن کثیر الثقفی البصری (م ۱۵۰ھ) سے اور دوسری ابو ہاشم الایلی سے مروی ہے۔ ۱۹؎ ابو ہاشم سے ہی ایک اور حدیث کی روایت امام ذھبیؒ نے تاریخ الاسلام میں بھی نقل کی ہے۔ ۲۰؎

خلیفہ مامون اور حضرت شقیق

ابن العماد نے بھی شفیق بلخیؒ کے ساتھ ایک سفر میں ان کے تین سو مریدوں کے ہونے کا تذکرہ کیا ہے۔ ۲۱؎ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا حلقۂ ارادت کافی وسیع تھا۔ لیکن ان کے اقوال عام طور پر حاتم اصم سے مروی ہیں۔ طبقات الصوفیۃ میں ان کے ستائیس (۲۷) مقولے منقول ہیں، جو سب کے سب حاتم کی روایت سے ہیں۔ حاتم اصم ان کے سب سے مشہور شاگرد ہیں۔ وہ خود بھی بڑے پایے کے صوفی تھے۔ وہ شقیق بلخی کی خدمت میں طویل عرصہ رہے۔ 'ثمانی مسایل' (یعنی آٹھ مسائل) کے نام سے انھوں نے حضرت شقیق کے فیض صحبت کے ثمرات بیان کیے ہیں، جن کو مختلف تذکرہ نگاروں نے جمع کیا ہے۔ ۲۲؎ وہ شقیق بلخیؒ کے ساتھ آخری دم تک رہے۔ ان کے واقعۂ شہادت کے راوی بھی وہی ہیں۔ ۲۳؎ ان کے علاوہ شقیق بلخیؒ کے ملفوظات کو ان کے پوتے علی بن محمد بن شقیق کے حوالے سے بھی بعض تذکرہ نگاروں نے ذکر کیا ہے۔ حسن بن داؤد بلخی نے بھی ان کے بعض اقوال روایت کیے ہیں۔ ۲۴؎

وفات

تمام تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ شفیق بلخیؒ کولان کی جنگ میں ترکوں کے خلاف جنگ کرتے ہوئے سنہ ۱۹۴ھ/ ۸۱۰ء میں شہید ہوئے۔ ۲۵؎

حاتم اصم نے اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے: ایک مرتبہ میں اور حضرت شقیق ایک جنگ میں ساتھ تھے۔ ایک دن گھمسان کا رن پڑا۔ اس میں سروں کے اڑنے، تلواروں کے ٹوٹنے اور نیزوں کے چلنے کے سوا کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اسی دوران، جب کہ ہم دو صفوں کے درمیان تھے، انھوں نے مجھ سے پوچھا: اے حاتم! تم کیا محسوس کر رہے ہو؟ کیا تمھیں آج شب زفاف کی لذت نہیں آ رہی ہے؟ میں نے کہا:

اللہ کی قسم، مجھے تو کوئی بات نہیں محسوس ہو رہی ہے۔ شقیق بلخیؒ نے فرمایا: واللہ، مجھے تو ایسا ہی محسوس ہو رہا ہے۔ حاتم کہتے ہیں: اس کے بعد شقیق بلخیؒ نے ڈھال سرہانے رکھی اور دو صفوں کے درمیان سو گئے، حتی کہ مجھے ان کے خراٹوں کی آواز آنے لگی۔ ۲۶

اندازہ ہوتا ہے کہ اس جنگ میں ان کے اور ساتھی بھی شریک تھے، چنانچہ حاتم نے مزید بیان کیا ہے کہ میں نے اس جنگ میں اپنے اصحاب میں سے ایک کو دیکھا کہ رو رہا ہے۔ میں نے پوچھا: کیوں رو رہے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میرا بھائی شہید ہو گیا ہے۔ ۲۷

اولاد

شقیق بلخی کی اولاد کے بارے میں تفصیلات نہیں معلوم ہو سکیں۔ ان کے ایک بیٹے 'محمد' کا نام دراصل ان کے پوتے کے ذکر میں ملتا ہے۔ دوسرے بیٹے علی کا تذکرہ ان کی کنیت میں ہے۔ ممکن ہے، اور بھی اولادیں رہی ہوں۔

افکار و تعلیمات

شقیق بلخی نے اونی کپڑے پہنے، تلاشِ حق میں مجذوبانہ سرگرداں پھرے۔ مختلف لوگوں سے روایات لیں اور مختلف شخصیات کی خدمت میں رہ کر سلوک و تصوف کے رموز سیکھے۔ ان کے افکار و خیالات، جو ان کے بعض مریدوں، خاص طور پر حاتم اصم نے نقل کیے ہیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے یہاں فلسفیانہ طرزِ فکر نہیں ہے، بلکہ زیادہ تر عمل کی باتیں ہیں، کہ کس طرح اپنی زندگی کو سنوارا جائے؟ اور کیسے آخرت کی فکر پیدا کی جائے؟ ان کی چند بنیادی تعلیمات درج ذیل ہیں:

توکل

شقیق بلخی کے یہاں توکل پر بڑا زور تھا۔ غالباً اپنی ہنگامہ خیز معاشی زندگی کو ترک کرنے کے نتیجہ میں ان کے اندر توکل کی فکر زیادہ بڑھ گئی تھی اور ان پر اتنی حاوی ہوئی تھی کہ اکثر تذکرہ نگاروں نے ان کا تذکرہ اسی حوالے سے کیا ہے۔ الرسالہ میں ہے

کہ ان کا سارا کلام توکل کے بارے میں ہے۔۲۸؎

توکل کیا ہے؟ اس کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت شقیق بلخی نے فرمایا ہے: ''**التوکل یطمئن قلبک بوعود اللّٰہ**'' (توکل یہ ہے کہ تیرا دل اللہ تعالیٰ کے وعدے پر مطمئن ہو جائے) اس کی مزید وضاحت انھوں نے اس طرح کی کہ اگر تم یہ جاننا ہو کہ یہ انسان کیسا ہے؟ تو یہ دیکھو کہ اس کو زیادہ بھروسہ اللہ تعالیٰ کے وعدے پر ہے یا انسان کے وعدے پر۔۲۹؎ یعنی اگر اس کا بھروسہ اللہ تعالی پر ہے تو وہ متوکل ہے اور اگر انسانوں پر ہے تو دنیادار ہے۔

ابونعیم اصفہانی نے لکھا ہے کہ شقیق بلخی نے توکل کی چار قسمیں بیان کی ہیں: (۱) توکل علی المال (۲) توکل علی النفس (۳) توکل علی الناس (۴) توکل علی اللہ۔ توکل علی المال کا مطلب یہ ہے کہ تم کہو کہ جب تک یہ مال میرے پاس رہے گا، مجھے کسی کی ضرورت نہیں۔ توکل علی النفس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کلی طور پر صرف اپنے اوپر بھروسہ کرے۔ توکل علی الناس کا مطلب یہ ہے کہ ہر ضرورت میں دوسرے لوگوں کی مدد کا یقین ہو اور توکل علی اللہ کا مطلب یہ ہے کہ تم یہ جانو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا ہے، وہی تمہارے رزق کا ضامن اور کفیل ہے۔ وہ تمھیں کسی کا محتاج نہیں کرے گا۔۳۰؎

شقیق بلخیؒ کے یہاں توکل پر اتنا زور ہے کہ بسا اوقات وہ ترکِ وسیلہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ اس کی مثال چڑیا کا قصہ ہے، جو اوپر گزر چکا ہے، لیکن شاید ابراہیم بن ادہمؒ کی تربیت کے بعد انھوں نے ترک وسیلہ کا خیال چھوڑ دیا تھا۔ البتہ اس سے ان کے معیار توکل میں کوئی کمی نہیں آئی۔ وہ فرماتے تھے کہ جو رزق تمہارے لیے مقدر ہے وہ ہر حال میں تم کو ملے گا، کسی اور کو نہیں مل سکتا۔۳۱؎

ان کے نزدیک توکل ایمان کا پیمانہ ہے۔ انھوں نے متعدد آیات سے استشہاد کیا ہے۔ (الشعراء:۷۹، المائدۃ: ۲۳، آل عمران:۱۵۹) جن سے ثابت ہوتا ہے کہ توکل ایمان کا تقاضا ہے اور ایمان کی علامت یہ ہے کہ انسان کا زیادہ بھروسہ اللہ کے وعدہ پر ہو۔۳۲؎

زہد

حضرت شقیق بلخی کے عہد میں لفظ 'تصوف' کا رواج نہیں تھا، بلکہ اس کے لیے لفظ

'زہد' کا استعمال ہوتا تھا۔ اس لیے وہ بھی 'تصوف' کے بجائے زہد کا لفظ ہی استعمال کرتے تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ زہد رغبت کی ضد ہے۔ زاہد اور راغب کی مثال ان دو آدمیوں کی سی ہے جن میں سے ایک مشرق کی طرف جا رہا ہو اور دوسرا مغرب کی طرف۔ ان کے درمیان کچھ بھی مشترک نہیں ہے۔ ان کے مقاصد مختلف ہیں۔ راغب یہ دعا مانگتا ہے کہ اے اللہ! مجھے مال، اولاد اور دولت عطا فرما اور مجھے میرے دشمنوں کے مقابلے میں کام یاب فرما اور ان کے شر، حسد، ظلم، مصیبت اور آزمائش کو مجھ سے دور فرما۔ زاہد کی دعا یہ ہوتی ہے کہ اے اللہ! مجھے ڈرنے والوں کا علم اور عمل کرنے والوں کا خوف عطا فرما۔ متوکلین کا علم، مومنین کا توکل، صبر کرنے والوں کا شکر اور شکر کرنے والوں کا صبر، مغلوب ہو جانے والوں کی فروتنی، عاجزی کرنے والوں کی انابت اور سچوں کا زہد عطا فرما اور مجھے ان شہدا میں شامل فرما جو زندہ ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے۔ دونوں کی دعائیں الگ الگ ہیں اور اللہ کی قسم، دونوں کے راستے جدا جدا ہیں۔ ۳۳؎ اسی طرح وہ زاہد یعنی صوفی کو دوسرے تمام گروہوں سے ممتاز کرتے ہیں۔ یعنی جو شخص زاہد ہوگا اس کی فکر کا محور پورے طور پر اللہ تعالیٰ کی خشیت، اس پر توکل، صبر اور انابت ہوگا اور اس کی منزل شہدا میں شمولیت ہوگی۔ یعنی آخرت میں کام یابی ہی اس کی زندگی کا اصل مقصد ہوگا اور اس کی کوشش یہ ہوگی کہ وہ آخرت میں سب سے اعلیٰ مقام حاصل کرے جو ان شہداء کا مقام ہے جن کے بارے میں قرآن میں آیا ہے کہ وہ زندہ ہیں اور انھیں کھلایا پلایا جاتا ہے۔

جس شخص کی ساری تگ و دو دنیا کے لیے ہو، وہ ہوا و ہوس میں مبتلا ہو اور اس کی فکر کا محور اس کی دنیا کی زندگی ہو، ایسے شخص کے لیے شقیق بلخیؒ 'راغب' کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک دنیا میں مال و اولاد کا حصول اور مصیبتوں اور پریشانیوں سے نجات پانا ہی اس کی زندگی کا محور ہوتا ہے۔ آخرت اس کے دائرہ فکر میں شامل نہیں ہوتی۔ گویا ان کے نزدیک جو شخص آخرت میں اعلیٰ درجات حاصل کرنے کی فکر میں یہ زندگی گزارے وہ 'زاہد' ہے اور جس کی فکر کا دائرہ اس دنیا میں ہی محدود ہو وہ 'راغب' ہے۔

زہد کی ضد کے طور پر شقیق بلخی ایک دوسرا لفظ 'ہویٰ' (ہوس) بھی استعمال کرتے ہیں۔ اس لفظ کا استعمال اب بھی اسی معنی میں ہوتا ہے، لیکن اول الذکر کا استعمال اصطلاحاً اس معنیٰ میں نہیں ہوتا جس میں انھوں نے استعمال کیا تھا۔

زاہد کے امتیازات بتاتے ہوئے حضرت شقیق فرماتے ہیں کہ تین خصلتیں ہیں جو زاہد کا تاج کہلاتی ہیں: اول یہ کہ وہ خواہشات کی پیروی نہ کرے، بلکہ ان کے خلاف چلے۔ دوسرا یہ کہ وہ دل سے زہد کی طرف مائل ہو۔ تیسرا یہ کہ جب بھی اس کو فرصت کے لمحات میسر آئیں، وہ یہ سوچے کہ قبر میں داخل ہونا اور اس سے دوبارہ زندہ ہو کر نکلنا کس حال میں ہوگا اور قیامت کے دن کی لمبائی، بھوک، پیاس، برہنگی، حساب اور صراط کو یاد کرے اور اس دن کی رسوائی کو یاد کرے۔ اس کا یہ ذکر اس کو دھوکے کے گھر (یعنی اس دنیا) کے ذکر سے بے نیاز کر دے گا۔ ۳۴؎

زہد اللہ تعالیٰ سے قربت کا ذریعہ ہے اور اس سے بے شمار فضائل انسان کو حاصل ہوتے ہیں۔ ایک موقع پر شفیق بلخیؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے سب سے قریب وہ زہاد ہوں گے جو اس سے سب سے زیادہ خوف کی روش اختیار کریں گے۔ اور اس کے سب سے زیادہ محبوب وہ زہاد ہوں گے جو اس کے لیے سب سے اچھے اعمال انجام دیں گے اور اس کے نزدیک سب سے افضل وہ زہاد ہوں گے جو اس کے وعدوں پر سب سے زیادہ یقین و رغبت رکھنے والے ہوں گے (**أعظمهم فيما عنده رغبة**) اور اس کے نزدیک سب سے زیادہ باعزت وہ زہاد ہوں گے جو سب سے زیادہ تقوی کی روش اختیار کرنے والے ہوں گے اور اس کے نزدیک سب سے مکمل وہ زہاد ہوں گے جو سب سے زیادہ سخاوت کرنے والے اور اس کے سامنے سب سے زیادہ جھکنے والے ہوں گے اور اس کے نزدیک سب سے کامل زہاد وہ ہوں گے جو یقین میں سب سے زیادہ ہوں گے۔ ۳۵؎

طریقۂ زہد

راہ سلوک میں سالک کو مختلف منازل و مقامات سے گزرنا پڑتا ہے۔ صوفیہ کرام نے اپنے اپنے ذوق و وجدان کے مطابق ان منازل کو بیان کیا ہے۔ شقیق بلخی نے بھی زہد کا راستہ اور اس میں آنے والے منازل کو تفصیل سے بیان کیا ہے، البتہ ان کی بیان کردہ منزلیں وہ نہیں ہیں جو بعد میں صوفیہ نے طے کی۔ شقیق بلخیؒ ان کو 'منزل' کہتے بھی نہیں، وہ ان کو 'ابواب' یعنی دروازے کہتے ہیں۔ شقیق بلخی کو منازل و ابواب کے بیان سے زیادہ دلچسپی تھی بھی نہیں، ان کی زیادہ توجہ آخرت کی فکر اور اس کے پیش نظر دنیا

کے اعمال کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق انجام دینے پر تھی۔ اس دنیا میں انسان کے لیے آرام و راحت بھی ہے اور تکلیف ومصائب بھی۔ سالک کے لیے ضروری ہے کہ آرام وراحت اس کو اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دے اور تکلیف ومصیبت اس کو فریاد و واویلا میں مبتلا نہ کر دے اور اسے رحمت خداوندی سے مایوس نہ کر دے، بلکہ آرام و راحت موجب شکر گزاری ہو اور اگر کوئی تکلیف پیش آئے تو اس پر صبر کرے۔ فرماتے ہیں کہ زہد کے راستے کی طرف لے جانے والے دروازے چھ (۶) ہیں:

۱۔ بھوک پر رضا اور سرور کے ساتھ صبر کرنا، اس پر واویلا اور فتور کے ساتھ نہیں۔

۲۔ غریبی پر خوشی کے ساتھ صبر کرنا، غم کے ساتھ نہیں۔

۳۔ طویل فاقہ کشی پر فضل واقبال کے ساتھ صبر کرنا، افسوس کے ساتھ نہیں، یعنی اس طرح رہنے والا گویا بھوکا ہے ہی نہیں، بلکہ شکم سیر ہے۔

۴۔ عاجزی اور ذلت پر بہ طیب خاطر صبر کرنا، کراہت کے ساتھ نہیں۔

۵۔ مصیبتوں پر رضامندی سے صبر کرنا، ناراضی کے ساتھ نہیں۔

۶۔ کھانے، پینے اور لباس کے بارے میں طویل غور وفکر کرنا کہ وہ کہاں سے آیا؟ کیسے آیا؟ ممکن ہے کہ ایسا ہو اور ہوسکتا ہے کہ ویسا ہو (یعنی یہ ضرور غور کرے کہ یہ جائز ذریعہ سے ہی ہو)۔۳۶

شقیق بلخیؒ نے 'زاہد' اور 'متزہد' کے درمیان فرق کرتے ہوئے دونوں کی خصوصیات بتائی ہیں اور لوگوں کو نصیحت کی ہے کہ وہ متزہد کی صحبت سے اجتناب کریں۔ انھوں نے کہا ہے کہ متزہد وہ ہے جو دیکھنے میں خشوع وخضوع کا پیکر نظر آئے، اپنے مدخل اور مخرج میں (یعنی چلنے پھرنے میں)، اپنے کھانے اور لباس میں، اپنے اعمال میں اور خواہشات میں زاہدوں کے مشابہ ہو، لیکن دنیا سے اس کی رغبت اور محبت اس کے اس دعویٰ کے خلاف گواہی دے۔ اس کی رضا راغبین کی رضا کی طرح ہوگی، لیکن اس کا حسد، اس کے مقاصد، اس کی لمبی چوڑی باتیں، اس کا گھمنڈ، اس کا فخر، اس کی بداخلاقی، اس کی لچھے دار گفتگو اور لایعنی باتوں میں اس کا مستقل پڑے رہنا اس کے نفاق کی دلیل ہیں۔ اس سے بچو۔ لیکن اگر کسی شخص میں دس خصائل ہوں تو اس کے بارے میں امید ہے کہ وہ زہد کے کسی نہ کسی دروازے میں ضرور ہوگا۔ وہ خصائل درج ذیل ہیں:

۱۔ نیکی سے اس کو خوشی ہو اور برائی پر افسوس کرے۔

۲۔ وہ اچھا کام کرے اور کوئی اس پر تعریف کرے تو اس کو ناپسند کرے اور اگر بغیر کوئی اچھا کام کیے کوئی اس کام کے حوالے سے اس کی تعریف کرے تو اس سے ایسے نفرت کرے جیسے خنزیر اور مردار کے گوشت یا خون سے نفرت کرتا ہے۔ (يُحِبُّونَ أَن يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا)

۳۔ جب ان خصلتوں کو پہچان لے اور انہی میں اپنے دن رات کے اوقات صرف کرنے لگے تو اس کی خواہشات کم ہو جائیں گی اور جو سامنے آنے والا ہے (یعنی موت اور قیامت) اس کی فکر بڑھ جائے گی۔

۴۔ جب آدمی ایسے کام میں مشغول ہوگا جس کے لیے اس کو پیدا نہیں کیا گیا (یعنی دنیاداری) تو اس کے غم بڑھ جائیں گے۔ ایسا لگے گا جیسے وہ مجنوں ہو۔ پھر اگر وہ اس چیز کو اسی وقت چھوڑ دے جس نے اس کو اطاعت الٰہی سے روکے رکھا ہے تو اس سے اس کو زہد کی مٹھاس ملے گی اور اس کے ذریعہ وہ شیطان کے گروہ سے چھٹکارا پائے گا۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر اس کے نزدیک شہد سے زیادہ میٹھا اور برف سے زیادہ ٹھنڈا ہو اور سخت گرمی میں پیاس سے جاں بلب شخص کے لیے صاف، ٹھنڈا اور میٹھا پانی جتنا لذت آگیں ہوتا ہے، اللہ کا ذکر اس کے لیے اس سے زیادہ لذیذ ہو جائے گا۔

۶۔ اس کو ان لوگوں کے پاس بیٹھنا جو زاہدوں کی تعریف کریں اور اس کو نصیحت کریں، زیادہ اچھا لگے گا بہ نسبت ان کے جو انھیں درہم و دینار دیں۔

۷۔ اگر کوئی شخص اپنے گناہوں پر بہت زیادہ نہ روئے تو اس کی توبہ قبول نہ ہوگی۔

۸۔ اس کی مسکراہٹ اور اس کی خوشی و مسرت کی کیفیت سے لوگ سمجھیں گے کہ وہ اہل رغبت میں سے ہے، نہ کہ اہل خوف میں سے۔

۹۔ اس کا دل اس سے یہ نہ کہے کہ تو کسی بھی اہل قبلہ سے افضل ہے۔

۱۰۔ وہ اپنے گناہوں پر نظر رکھے اور دوسرے کے عیوب کی نکتہ چینی سے بچے۔

جس شخص میں یہ دس چیزیں ہوں گی، امید ہے کہ وہ زہاد کے طریقہ پر ہوگا۔ ان

دس ابواب کے بعد سات اور ابواب ہیں۔ دوسرے الفاظ میں کہا جاسکتا ہے کہ اوپر مذکور دس ابواب راہِ سلوک کی منازل اور ذیل میں مذکور سات ابواب راہِ سلوک کے احوال ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے دل سے عاجزی کرنا، نہ کہ صرف زبان سے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے خوشی سے جھکنا، نہ کہ بے دلی سے۔

۳۔ لوگوں سے بغیر لالچ کے حسن معاشرت اختیار کرنا۔

۴۔ دنیا کی طرف جھکنے والوں سے ایسے بھاگنا جیسے گدھا شیر سے بھاگتا ہے اور ان سے ایسی نفرت کرنا جیسے گدھا درندوں کی آواز سے کرتا ہے۔

۵۔ ہر ایسی چیز سے پناہ چاہنا جس کے عذاب کا ڈر ہو، یا پھر اس پر ثواب کی کوئی امید نہ ہو۔

۶۔ اپنے گناہوں پر رونے والوں کی صحبت اختیار کرنا۔

۷۔ موت کے بعد آنے والے شدائد و مشکلات سے خوف کھانا۔

جس شخص کے اندر یہ باتیں ہوں گی وہ گویا سب سے افضل عبادت کرنے والا ہے اور زہاد کے طریقہ پر گام زن ہے۔ بہ الفاظ دیگر وہی صحیح معنوں میں زاہد یا صوفی ہے۔ ۳۷؎ شفیق بلخیؒ کی یہ پوری گفتگو ابونعیم اصفہانی نے حلیۃ الاولیا میں نقل کی ہے۔ اندازہ ہوتا ہے کہ شاید یہ کسی مجلس کی گفتگو یا کسی سالک کو کی گئی نصیحت ہے۔

شقیق بلخیؒ نے زاہد اور متزہد کے درمیان فرق کرنے کا ایک اور اصول بتایا ہے کہ زاہد اپنے عمل سے زاہد ہوتا ہے اور متزہد اپنے قول سے۔ ۳۸؎ وہ سالک کو نصیحت کرتے تھے کہ ہمہ وقت یہ دیکھو کہ تم اللہ تعالیٰ کے معاملے میں کتنے جری ہو اور اللہ تعالیٰ کتنا حلیم ہے۔ ۳۹؎

فکر آخرت

شقیق بلخیؒ کی نظر میں اہل طاعت ہی زندہ لوگوں میں شمار کیے جانے کے قابل ہیں۔ گناہ گار تو مُردوں کی مانند ہیں۔ سالک کو ہمہ وقت اس فکر میں رہنا چاہیے کہ مرنے کے بعد کی زندگی کے لیے اس کی تیاری پوری رہے۔ فرماتے تھے کہ موت کی ایسی تیاری کرو کہ جب موت آئے تو یہ احساس نہ رہے کہ کاش اور مہلت ملتی۔ ۴۰؎

ان کے نزدیک عقل مند آدمی وہ ہے جو ہر وقت ان تین حالتوں میں سے کسی ایک حالت

میں رہے: (۱) اپنے پچھلے گناہوں پر ہر وقت خوف زدہ رہے۔ (۲) اس کو معلوم نہ ہو کہ اس پر اگلا لمحہ کیا گزرے گا؟ یعنی ہر وقت اگلے لمحے کی فکر میں لگا رہے۔ (۳) انجام کار سے ہر وقت خائف رہے، کیوں کہ وہ نہیں جانتا کہ اس کا خاتمہ کس چیز پر ہوگا؟ ۴۱ ؎

عبادت

انسانی زندگی کا مقصد عبادت ہے اور عبادت کا مقصد یہ ہے کہ بندہ دنیا میں ایک مطمئن زندگی گزارے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام کا مستحق قرار پائے، اس کو جنت حاصل ہو جائے اور جہنم سے چھٹکارا مل جائے۔ شقیق بلخیؒ نے عبادت کے اس مقصد کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: ''عبادت کا حسن درج ذیل چیزیں ہیں:

۱۔ جب بندہ اپنے آپ کو عبادت میں منہمک دیکھے تو اپنے دل میں کہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے اور اسی نے اس کی توفیق دی ہے۔ وہ جب یہ سوچے گا تو اس کے اندر سے گھمنڈ کا مادہ ختم ہو جائے گا۔

۲۔ اس کا دل ہر وقت ثواب میں اٹکا رہے۔ ایسا کرنے سے ریا کاری کا خیال اس کے دل سے نکل جائے گا۔ کیوں کہ اب وہ اس نیت سے عمل کرے گا کہ اس کو اس پر ثواب ملے گا۔ اگر شیطان اس کے دل میں وسوسہ بھی ڈالے گا تو وہ کہے گا کہ میں یہ کام اس لیے کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اس پر ثواب عنایت فرمائے گا۔ ایسا کرنے سے لوگوں سے اس کی امیدیں اور لالچ (طمع) ختم ہو جائے گی۔

طمع یا لالچ کا مطلب ہے خدا کو بھول جانا۔ بندہ جب اللہ کو بھول جاتا ہے تب ہی اس کی امیدیں مخلوق سے وابستہ ہوتی ہے۔ ۴۲ ؎

معرفت

شقیق بلخیؒ نے معرفت کے بارے میں فرمایا ہے کہ معرفت چار طرح کی ہوتی ہے: (۱) اللہ کی تعالیٰ کی معرفت۔ (۲) اپنے نفس کی معرفت۔ (۳) اللہ تعالیٰ کے امر و نہی کی معرفت۔ (۴) اللہ تعالیٰ کے دشمن کی معرفت۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت یہ ہے کہ بندہ دل سے یہ جانے کہ سوائے اس کے نہ کوئی دینے والا ہے، نہ کوئی روکنے والا ہے، نہ نقصان

پہنچانے والا ہے، نہ فائدہ پہنچانے والا۔ نفس کی معرفت یہ ہے کہ تمھارا نفس یہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر نہ تمھیں کوئی نفع دے سکتا ہے نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ تم خود کوئی کام کر سکتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کے امر و نہی کی معرفت کا مطلب ہے کہ تم یہ جان لو کہ تمہارے اوپر اللہ تعالیٰ کا حکم بجالانا لازم ہے اور تمھارا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔ اور اس پر یقین کامل رکھو کہ تمھیں رزق ملے گا، اعمال کو خلوص کے ساتھ انجام دو۔ اور اخلاص عمل کی پہچان تمہارے اندر دو خصلتوں کا ہونا ہے: طمع اور جزع یعنی تڑپ۔ اللہ تعالیٰ کے دشمن کی معرفت کا مطلب یہ ہے کہ تم یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ کا ایک دشمن ہے، یعنی شیطان۔ اس سے جنگ کیے بغیر اللہ تعالیٰ تمھارا کوئی عمل قبول نہیں کرے گا۔ ۴۳؎

شقیق بلخیؒ نے مزید فرمایا کہ معرفت کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ یہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اس کے پاس جو چیز ہے وہ اس سے لے کر دوسرے کو دے دے اور اگر اس کے پاس کوئی چیز نہ ہو تو وہ اس کو دے دے۔ ۴۴؎

اقوالِ حکمت

شقیق بلخیؒ سے حکمت کی متعدد باتیں منقول ہیں۔ ان کے چند اقوال درج ذیل ہیں:

۱۔ اپنے آپ کو دنیا کی طلب میں ہلکان مت کرو۔ اگر تمہارے لیے فقر مقدر کر دیا گیا ہے تو تم غنی نہیں ہو سکتے۔ ۴۵؎

۲۔ انسان اپنے ایمان کا جائزہ دین کے ذریعے بھی لے سکتا ہے۔ اگر تمہاری نظر میں تمھیں دینے والا شخص زیادہ محبوب ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ تم دنیا دار ہو اور اگر تمہاری نظر میں وہ شخص زیادہ محبوب ہے جس کو تم دے رہے ہو تو اس کا مطلب ہے کہ تمہاری نظر میں آخرت کی فکر زیادہ ہے۔ ۴۶؎

۳۔ دنیا میں ایسے رہو جیسے لوگ آگ کے ساتھ رہتے ہیں، یعنی اس کا فائدہ تو اٹھاتے ہیں، لیکن اس میں جلنے سے بچتے ہیں۔ ۴۷؎

۴۔ توبہ کیا ہے؟ توبہ دراصل انسان کی گستاخانہ جرأت اور اللہ رب العزت کے عفو و درگذر کی تفسیر ہے۔ ۴۸؎

۵۔صبر و رضا دو الگ الگ صورتیں ہیں: جب کسی کام کا آغاز کیا جاتا ہے تو ابتدا صبر سے ہوتی ہے اور اختتام رضا پر ہوتا ہے۔۴۹؎

۶۔اگر دنیا میں خوش رہنا ہے تو جو مل جائے ، کھالو، جو میسر ہو، پہن لو اور اللہ نے جو فیصلہ کر دیا اس پر راضی ہو جاؤ۔۵۰؎

۷۔عقل مند انسان کی تین خصلتیں ہوتی ہیں:

(۱) وہ ہمیشہ اپنے پچھلے گناہوں پر شرمندہ رہتا ہے۔

(۲) وہ ہمیشہ مستقبل کے بارے میں فکرمند رہتا ہے کہ اگلے لمحے نہ جانے کیا ہوگا، یعنی مدہوشی کی زندگی نہیں گزارتا۔

(۳) انجام کار موہوم ہے، پتہ نہیں، خاتمہ کس پر ہوگا؟ اس لیے وہ اپنے انجام کے لیے فکرمند ہوتا ہے۔۵۱؎

شفیق بلخیؒ عظیم پائے کے صوفی تھے۔ان کی زندگی عمل سے عبارت تھی اور انھوں نے دوسروں کو بھی عمل کی تلقین کی۔انھوں نے اپنے اقوال میں ایسے معیارات رکھ دیے جن کے ذریعہ انسان اپنا جائزہ لے سکتا ہے کہ وہ دینی اعتبار سے کس مقام پر ہے؟ انھوں نے تصوف کی فکری تاریخ کا منہج متعین کرنے کے لیے عظیم کارنامہ انجام دیا۔

حواشی و مراجع

۱۔ ذہبی ، تاریخ الاسلام، تحقیق عمر عبدالسلام تدمری، دار الکتاب العربی، بیروت، طبع دوم، ۱۹۹۳، ۱۳ / ۲۲۸

۲۔ ابونعیم اصفہانی: حلیۃ الاولیا و طبقات الاصفیا، دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان، غیر مؤرخہ، ۸ / ۷، ابوالقاسم القشیری: الرسالۃ القشیریۃ، اردو ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن، ادارۂ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد پاکستان، ۱۹۵۸، ص ۱۳۹ ۔ ۱۳۸

۳۔ ابن الملقن: طبقات الاولیاء، تحقیق و تخریج نورالدین شریبہ، دار المعرفۃ ، بیروت، طبع دوم، ۱۹۸۶، ص: ۱۳ ، الرسالہ القشیریۃ، ص: ۱۳۹

۴۔ الرسالہ القشیریۃ، ص: ۱۳۸

۵۔ حوالۂ سابق ۶۔ طبقات الاولیاء ۷۔ذہبی، تاریخ الاسلام، ۱۳/ ۲۳۰

۸۔ عبدالرؤف مناوی: الکواکب الدریۃ فی تراجم سادۃ الصوفیۃ ۔تحقیق ڈاکٹر عبدالحمید صالح حمدان، المکتبہ الازہریۃ للتراث، مصر، بدون سنہ، ا / ۲۲۳

۹۔ طبقات الاولیاء، ص ۱۴ ۱۰۔تاریخ الاسلام، ۱۳/ ۲۲۸

۱۱۔ جمال الدین ابوالفرج ابن الجوزی، صفۃ الصفوۃ، دار ابن حزم، بیروت، ۲۰۰۸، ص ۶۶۳

۱۲۔ حلیۃ الاولیاء، محولہ بالا، ۸/ ۵۹، تاریخ الاسلام، ۱۳ / ۲۲۹

۱۳۔ ابوعبدالرحمن السلمی، طبقات الصوفیۃ، تحقیق نورالدین شریبہ، دارالکتاب العربی، مصر، ۱۹۵۳، ص ۶۴

۱۴۔ الرسالہ، ص ۴۴۲ ۱۵۔طبقات الاولیاء، ص ۹ ۱۶۔تاریخ الاسلام، ۱۳/ ۲۳۰

۱۷۔ ذہبی، العبر فی خبر من غبر، تحقیق ابوھاجر محمد بن سعید البسیونی زغلول دارالکتب العلمیۃ بیروت، لبنان، ۱۹۸۵، ۱/ ۲۴۶ ۱۸۔طبقات الاولیاء، ص: ۱۴

۱۹۔ ابوعبدالرحمن السلمی: طبقات الصوفیۃ، تحقیق نورالدین شریبہ، دارالکتاب العربی، مصر، ۱۹۵۳، ص ۶۲۔ ۶۳ ۲۰۔تاریخ الاسلام، ص: ۱۳/ ۲۳۱

۲۱۔ ابن العماد، شذرات الذہب، دارالمسیرۃ، بیروت، ۱۹۷۹، ۱/ ۳۴۱

۲۲۔ صفۃ الصفوۃ، ص ۶۶۴ ۲۳۔حلیۃ الاولیاء، ص ۸/ ۴۶ ۲۴۔تاریخ الاسلام، ۱۳/ ۲۲۹

۲۵۔ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، تحقیق ابو الفدا عبداللہ القاضی، دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان، ۱۹۸۷، ۵/ ۳۷۰ ۲۶۔حلیۃ الاولیا، ص ۸/ ۶۴

۲۷۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان، طبع بولاق، ص ۲/ ۱۷۱

۲۸۔ الرسالۃ القشیریۃ، ص ۱۳۸ ۲۹۔طبقات الصوفیۃ، ص ۶۳

۳۰۔ حلیۃ الاولیاء، ۸/ ۶۲۔ ۶۱ ۳۱۔طبقات الصوفیۃ، ص ۶۳ ۳۲۔حوالۂ سابق، ص ۶۴

۳۳۔حلیۃ الاولیاء، ۸/ ۷۰ ۳۴۔حوالۂ سابق، ۸/ ۶۲

۳۵۔ حوالۂ سابق، ۸/ ۷۰ ۳۶۔حوالۂ سابق ۳۷۔حوالۂ سابق، ۸/ ۶۶۔ ۶۷

۳۸۔طبقات الصوفیۃ، ص ۶۴ ۳۹۔حوالۂ سابق، ص ۶۵ ۴۰۔حوالۂ سابق، ص ۶۳

۴۱۔ حوالۂ سابق، ص ۶۴ ۴۲۔حلیۃ الاولیاء، ص ۸/ ۶۰

۴۳۔ حوالۂ سابق، ۸/ ۶۰۔ ۶۱ ۴۴۔حوالۂ سابق، ۸/ ۶۶

۴۵۔ الکواکب الدریۃ، ۲/ ۲۲۲ ۴۶۔طبقات الاولیاء، ص ۶۴

۴۷۔ الکوکب الدریۃ، ۲/ ۲۲۲ ۴۸۔ طبقات الصوفیۃ، ص ۶۵

۴۹۔ حوالۂ سابق ۵۰۔ حوالۂ سابق، ص ۶۶

۵۱۔ حوالۂ سابق، ص ۶۳

تعارف وتبصرہ

اوراقِ سیرت — مولانا سید جلال الدین عمری

ناشر: مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی۔ ۲۵، صفحات، ۳۸۴، مجلد مع گرد پوش۔ قیمت: ۲۵۰/۔

’اوراقِ سیرت‘ حیاتِ نبوی ﷺ سے متعلق مولانا سید جلال الدین عمری کے مختلف مضامین کا مجموعہ ہے۔ یہ نصف صدی (۱۹۶۳ء۔ ۲۰۱۴ء) کے عرصے پر پھیلے ہوئے ہیں اور جستہ جستہ رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔ عموماً اوراق کا استعارہ ’بکھراہٹ‘ اور پراگندگی کے اظہار کے لیے ہوتا ہے، معاً ذہن ’اوراقِ مضور‘ اور ’اوراقِ پریشاں‘ کی طرف جاتا ہے، مگر عناوین کی ترتیب اور فکری وحدت نے اس مجموعہ کو خوش انجام گل دستہ بنا دیا ہے۔ یہ تحریریں سہل الفہم، معلومات افزا اور قاری دوست (Reader freindly) ہیں۔ اس لحاظ سے بیش تر مروجہ کتبِ سیرت سے مختلف اور ممتاز ہیں۔ مصنف کا حبِّ رسول اور سیرتِ نبی ﷺ کی آفاقی معنویت کا احساس ہر مضمون سے جھلکتا ہے۔ مبالغہ آرائی سے احتراز، متانتِ بیان وسلاستِ اظہار اور ملّی افادہ رسانی کی للک اس گل دستے کی پہچان ہیں۔

مولانا سید جلال الدین عمری نے افتتاحی صفحات میں تصنیف کے اہم مآخذ اور سیرت النبی کے اربابِ خمسہ (عمر الواقدی، ابن سعد البصری، ابن اسحٰق، ابن ہشام اور طبری) کا اجمالی تعارف دیا ہے۔ اصل اور کلیدی مآخذ بہر حال قرآن اور حدیث ہیں اور ان سے مناسب استفادہ کیا گیا ہے۔ کتاب کے مطالعہ سے مصنف کے طریقۂ اخذ ورد اور شاذ روایات سے احتیاط کا بھی پتہ چلتا ہے۔ حوالوں کی صراحت اور حواشی کی فراوانی نے ان اوراق کی اہمیت ووقعت میں اضافہ کیا ہے۔ مضامین میں عالم وعامی، دونوں طرح کے پڑھنے والوں کے لیے حسبِ ذوق تسکین اور تنویر کا سامان موجود ہے۔ کتاب باب شماری سے عاری ہے، جو جدید قاری کے لیے نامانوس ہے۔ البتّہ کلیدی عنوانات کو جلی حروف میں ظاہر کر دیا گیا ہے۔ ذیلی عنوانات بالتفصیل مذکور ہیں۔ اہم عنوات یوں ہیں: آب وتابِ

سیرت، آخری رسول آخری رہ نما، سیرت۔ دلیلِ رسالت، نبوت سے سرفرازی، مکّی دورِ ابتلاء، اسلام کی پیش قدمی، ہجرتِ حبشہ، مدنی دور، دعوتی مکاتیب، علمی احسانات، اصحابِ صفّہ۔ مضامین کی تفصیل میں بسا اوقات تکرار (Repetition) در آئی ہے، جو مختلف مضامین کے درمیان فصلِ زمانی کے باعث ہے۔ ان میں وقتِ اشاعت حیاتِ رسول ﷺ کے بعض گوشوں کی یاددہانی اور ہدایت آفرینی پر خصوصی توجہ کی گئی ہے۔

اس کتاب میں، جیسا کہ ذکر کیا گیا، مضامین کی نوعیت اور ان کی اطلاقیت معروف کتبِ سیرت سے مختلف ہے۔ سوانحی واقعات نگاری کے بجائے عہدِ حاضر میں ان کی معنویت مدِّ نظر رہی ہے، مثلاً 'سیرتِ دلیلِ رسالت' نامی مضمون میں آں حضرت ﷺ کے شمائل، خصائل اور فضائل سے قطعِ نظر آپ کا اپنے منصب پر یقین، اللہ سے تعلق، نوعِ انسانی کی خیر خواہی، دنیا سے رغبتی اور اجتناب اور انقلابی تبدیلیوں کو نمایاں کیا گیا ہے۔ اسی طرح اصحابِ صفّہ (صفحات ۳۶۲ تا ۳۷۸) اور دارِ ارقم (صفحات ۱۱۴ تا ۱۱۷) کا ذکر خصوصی اہمیت کا حامل ہے، جب کہ عام سیرت نگار ان سے صرفِ نظر کر جاتے ہیں۔ ان سے متعلق مضامین ۱۹۸۷ء اور ۱۹۹۶ء کے دوران میں لکھے گئے ہیں۔ اس زمانے میں ہندوستان میں ملّی، تعلیمی بیداری کی تحریک زور پر تھی۔ دینی مدرسوں اور جدید درس گاہوں میں تعاون کے امکانات اور نصابی مشمولات زیرِ غور تھے۔ اسی طرح ہجرتِ حبشہ پر مضمون اکتوبر ۲۰۰۰ء میں رقم کیا گیا۔ یہ عنوان ہر کتابِ سیرت میں نجاشی اور حضرت جعفر کی گفتگو اور خطاب کی تفصیل کے ساتھ ملتا ہے، مگر مولانا عمری نے اس میں مہاجرین کے رہن سہن اور ملکی آبادی کے تعلقات کا اضافہ کیا ہے (ص ۱۲۲۔ ۱۲۳)۔ اُس وقت ہماری دنیا میں بین الاقوامی ہجرتوں، مہاجرین اور پناہ گزینوں کا ذکر گرمایا ہوا تھا۔ دعوتی وفود اور رسول اللہ ﷺ کے دعوتی مکاتیب بالخصوص ہرقل شاہِ روم کے نام مکتوب پر دونوں باب آج کی تکثیری اور سیاست زدہ سوسائٹی میں مسلمانوں کی بقا، حیثیت اور صلح کوشی کے مضمرات اور تقاضوں پر ملت کے خیرخواہوں کو دعوتِ فکر دیتے ہیں۔ مولانا عمری بعض بظاہر معمولی اور مجہول واقعات کو زیرِ توجہ لاتے ہیں، مگر نفسیاتی طور پر یہ اہم اور کاشفِ حقیقت ہوتے

ہیں۔ان کے قلم سے بیانِ سیرت کسی دور افتادہ جامد حقیقت کی روداد نہیں، بلکہ متحرک، جیتی جاگتی حقیقت (Living Reality) محسوس ہونے لگتی ہے،عقیدت چمکتی اور دعوتِ عمل دیتی ہے۔اس کی تین مثالیں پیش ہیں: غیر مسلم سردارانِ قبائل والے باب میں آں حضرت ﷺ کو ابولہب اور مطعم بن عدی کی حمایت کا اور حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ کو بعض غیر مسلم افراد کی جانب سے پناہ دینے کا ذکر ہے(ص ۲۳۲۔ ۲۴۸)۔عام کتبِ سیرت میں ان سے صرف نظر کیا جاتا ہے، لیکن ان واقعات سے نہ صرف عرب سماج میں قبیلہ جاتی حمیت کا اندازہ ہوتا ہے، بلکہ رسول اللہ ﷺ اور اولین مسلموں کی کس مپرسی کے اشارے اور گہرے ہوجاتے ہیں۔مولانا عمری کی نظر بظاہر معمولی باتوں پر بھی رہتی ہے۔ وہ ان کی باریکیوں کی پہچان رکھتے ہیں۔اسی طرح حضرت عمرؓ کے ایک چھوٹے سے حوالے کا معاملہ ہے: ہجرتِ حبشہ سے وہ ایک عزیزہ کو روکنا چاہتے تھے۔انھوں نے منع کر دیا،اس پر اس خاتون نے آپ میں جدائی کی رقّت دیکھی (ص ۱۸۱)۔عام طور پر حضرت عمرؓ کو ایک سخت گیر،مرعوب کن، سخت دل اور متشدد مزاج کے رُوپ میں دیکھا جاتا ہے،لیکن ان کی نرم نا کی کا یہ بشری پہلو ان کے احترام کے ساتھ ان سے ہماری انسیت بڑھاتا ہے۔اس سے مولانا عمری کی نفسیات شناسی اور انسانی شخصیت کے پرت در پرت ہونے کے احساس کا پتہ چلتا ہے۔اسی طرح کا نکتہ رسول اکرم ﷺ کی تبلیغی ہدایات کے بیان میں ملتا ہے(ص ۲۶۹۔ ۲۷۳)۔مصنف نے ان کی ترجمانی یوں کی ہے: ''ان دونوں (حضرت معاذؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ) کو آپ نے نصیحت فرمائی کہ لوگوں کو سہولت اور آسانی فراہم کریں،مشکلات میں نہ ڈالیں۔تعلیم وتبلیغ میں خوش خبری کا پہلو غالب رہے۔اس طرح ڈرایا اور خوف دلایا نہ جائے کہ دین ہی سے نفرت پیدا ہوجائے۔اتفاق و اتحاد کے ساتھ کام کریں اور اختلاف اور انتشار سے بچے رہیں'' (ص ۲۷۴)۔اس اقتباس میں نبی رحمت ﷺ کی انسانی جبلّت شناسی عیاں ہے اور مولانا عمری کی ترجمانی نکتہ رس ہے۔اس میں ہمارے پُرجوش اور مخلص واعظین ومبلغین،مسلکوں کے ترجمان اور خود ہمارے لیے نرم کلامی اور احترامِ فطرتِ انسانی کا پیام ہے۔

اس مجموعۂ مضامین کا پہلا باب ’ آب وتابِ سیرت‘ کسی دوسرے عنوان سے کتابچے کی شکل میں ۲۰۰۴ء میں شائع ہو چکا ہے اور اس کے بعض اجزاء ۱۹۶۳ء اور بعد کے عرصے میں رسالہ زندگی کے بعض شماروں میں چھپ چکے تھے۔ ان کو بعد از وقتِ طویل ایک کڑی میں پرونا شعور تدوین وتصنیف کی آزمائش تھی۔ مولانا کی وحدتِ فکر نے اسے آسان کر دیا۔ مکّی دور سے متعلق مضامین ۱۵۶ صفحات (۹۰ تا ۲۴۷) پر مشتمل ہیں اور مدنی دور ۸۳ صفحات (۲۴۱ تا ۳۲۳) پر مشتمل ہے۔ (بعض متوازن المزاج مستشرقین مثلاً منٹگمری واٹ نے بوجوہ اس دور پر زیادہ توجہ دی ہے)۔ یہ تفاوتِ صفحات اس لحاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ آں حضرت ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کے پچاس سے کچھ زائد سال وہاں گزرے، مگر اس میں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ مصنف کے الفاظ میں وہ دورِ ابتلاء‘ تھا جس کی تشریح میں یہ فقرہ ’وہ اس طرح آزمائے گیے‘ ہمارے واسطے بڑا معنی خیز اور چشم کُشا ہے۔ ہند کے مسلمان کتاب کے مخاطبِ اول ہیں۔ کئی لحاظ سے ان کی نکبت و بے اقتداری مکّی دور کے مسلمانوں کے مماثل ہے، جس سے ہمیں ایمان پر استقامت، رجائیت اور ہوش مندی کا پیام ملتا ہے۔

کتاب کے آخری چار مضامین (صفحات ۳۲۵ تا ۳۷۸) خاص طور سے سبق آموز اور طالبِ توجہ ہیں۔ ان میں رسول اکرم ﷺ کے پیام وعمل سے پھوٹتی علم دوستی اور رفعتِ فکر ہمارے واسطے سرمۂ چشم اور راہِ فلاح ہیں۔ ان مضامین کے عنوانات اور بیان میں خصوصی توجہ علومِ دین اور ان کے فروغ پر ہے، جو ایک عالمِ دین کے منصب کا حق اور فرض بھی ہے۔ مولانا نے فروغِ علم پر بحث میں دنیاوی علوم کی اہمیت اور افادیت کو بھی شامل کیا ہے اور انہیں علومِ دین اور خود انسانیت کی معاونت اور خدمت کا ذریعہ قرار دیا ہے۔۔ امام غزالیؒ کے حوالے سے وہ لکھتے ہیں: ’’اسلام کے نزدیک خدمتِ خلق کی حیثیت عبادت کی ہے، لہٰذا ان علوم کا حاصل کرنا اور انہیں فروغ دینا کارِ ثواب ہے۔ معاشرہ کو ان میں سے جس علم کی جتنی ضرورت ہو اس کی اہمیت اتنی ہی بڑھ جاتی ہے اور اس کا حصول ضروری ہو جاتا ہے‘‘ (ص ۳۴۴۔ ۳۴۵)۔ اسی طرح سے

اصحابِ صفّہ کے بیان میں مولانا نے ضمناً معاشی نظام پر سرسری نظر ڈالی ہے، جس سے تعلیم گاہوں اور اقامتی اداروں کے قیام و نظم کی ضرورت محسوس کی جا سکتی ہے۔

ان خوبیوں کے ساتھ کتاب میں تین اہم عناوین کی کمی کھٹکتی ہے: مغازی، ازواجِ مطّہرات اور خطبۂ حجّۃ الوداع۔ یہ عناوین، ان کے مضمرات اور مسائل اس دور میں متنوّع منفی اور مثبت بحث اور غلط فہمیوں کا مرکز ہیں۔ ازواجِ نبی ﷺ کا مضمون اب مساوات اور حقوقِ نسواں کے پیرایے میں نمایاں ہو رہا ہے۔ اغلب ہے کہ مصنف کی کتاب 'مسلمان عورت کے حقوق اور اور ان پر اعتراضات کا جائزہ' میں اس پر بالواسطہ بحث کی گئی ہو، لیکن اس کا کوئی حوالہ زیرِ تبصرہ کتاب میں نہیں ملتا۔ غزوات صدیوں سے شاتمینِ رسول اور مخالفینِ اسلام کے مرغوب نشانے رہے ہیں۔ شرم ناک ناانصافیوں اور سیاسی مفاسد کی پیدا کردہ دہشت گردی اور مفروضۂ جہاد کے سرے بھی مسلمانوں اور بالواسطہ غزوات سے جوڑے جا رہے ہیں۔ ان کے حوالے سے پیامِ قرآنی اور فکرِ نبوی کا ذکر وقت کا تقاضا اور مدّعائے کتاب کا جز ہے۔ خطبۂ حجّۃ الوداع کو تو حقوقِ انسانی کا اولین اعلان کہا جاتا ہے۔

'اوراقِ سیرت' کے مصنف کا مسأ سیرت محمدی ﷺ کے اہم عناصر، عوامل اور نقوش و اثرات کی عکاسی اور ذاتِ اقدس ﷺ کی برکت و عمل سے مترشح و مستنبط علم نوازی کا ذکر ہے۔ کم ہی سیرت نگاروں نے ان نکات پر مناسب التفات کیا ہے۔ مولانا عمری نے اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ سعی کام یاب اور قابلِ مبارک باد ہے۔ آج، جبکہ اسلام اور اس کے شارعِ محترم کو پس ماندگی، عدمِ رواداری اور بربریت کی تہمتوں سے آلودہ کیا جا رہا ہے، ایسی تصنیفات کی ضرورت ہے۔ مولانا عمری نے اس طرف اہم اور ثمر آور پیش قدمی کی ہے۔ ان کا سلیس، عام فہم اسلوبِ تحریر اور مستند مصادر سے استفادہ تصنیف و تالیف کے نمایاں اور گراں قدر اوصاف ہیں۔ ان کا عالمانہ انکسار اس پر مستزاد ہے۔ علم اور شخصیت کا یہ امتزاج مستحقِ احترام و تحسین ہے۔

(پروفیسر مسعود الحسن)

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی کے منصوبہ کے تحت تیار کردہ

دو اہم مطبوعات

۱۔اسلامی معاشرہ کی خصوصیات مولانا کمال اختر قاسمی

اس کتاب میں تین ابواب ہیں: پہلا باب مغربی معاشرہ اوراس کے اثرات ونتائج پر مشتمل ہے۔ دوسرے باب میں ہندوستانی سماج کو قدرے تفصیل کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ پیسار باب اسلامی معاشرہ پر ہے۔اس میں اسلامہ معاشرہ کی تشکیلی بنیادوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اوراس کی خصوصیات پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

صفحات: ۲۰۸ **قیمت:** ۱۵۵

۲۔توحید اور قیامِ عدل مولانا محمد جرجیس کریمی

توحید کا عقیدہ اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ایک ہے، جس پر ایمان لانے سے انسانی زندگی میں نظم، توازن اور اعتدال پیدا ہوتا ہے اوراس پر ایمان نہ لانے سے وہ بد نظمی، بے اعتدالی اور فساد کا شکار ہو جاتی ہے۔

پیش نظر کتاب چار مباحث پر مشتمل ہے، جن میں عقیدۂ توحید کی وضاحت کی گئی ہے، انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اعتدال وتوازن کے اثرات بیان کیے گئے ہیں، نیز عقیدہ توحید سے محرومی اور شرک والحاد میں آلودگی کے نقصانات اور افکار وخیالات پر پڑنے والے اثرات کا عالمانہ جائزہ شامل ہے۔

صفحات: ۹۲ **قیمت:** ۵۰

خبر نامہ ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی (٦٩)

☆صدر ادارۂ تحقیق و امیر جماعت اسلامی ہند مولانا سید جلال الدین عمری مرکز کے کیمپس میں واقع مسجد اشاعتِ اسلام میں عیدین کا خطبہ دیتے ہیں۔اس مرتبہ (۲۲/اگست۲۰۱۸ء)انھوں نے نماز عیدالاضحیٰ کے موقع پر جوخطبہ دیا تھا،اسے مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز ’امت مسلمہ سے خطاب‘ نے کتابچہ کی صورت میں شائع کر دیا۔ صفحات: ۸، قیمت ۔/٦ روپے۔

☆ مولانا عمری نے جماعت اسلامی ہند کے ذمہ داروں کی ایک مجلس میں ملک میں آئندہ ہونے والے پارلیمانی انتخابات کے پس منظر میں ایک تقریر کی تھی،جس میں مسلمانوں کی اصولی اور عملی ذمہ داریاں بیان کی تھیں۔اس کی اشاعت مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز سے ہوئی ہے اور پورے ملک میں اسے وسیع پیمانے پر تقسیم کیا گیا ہے۔ بہ عنوان ’آنے والے انتخابات اور امت مسلمہ کی ذمہ داری‘ ،صفحات:۱٦۔اس کا ہندی اور علاقائی زبانوں میں بھی ترجمہ ہوا ہے۔

☆سکریٹری ادارہ ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی کے تین (۳) کتابچے مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز سے طبع ہوئے ہیں: (۱) زکوٰۃ۔احکام و مسائل، صفحات: ۲۴، قیمت ۔/ ۲۰ روپے،(۲) اسلامی علوم میں خواتین کی خدمات، صفحات: ۳۲، قیمت ۔/ ۲۴ روپے،(۳) بچوں کے لیے سیرت کی کتابیں، صفحات: ۴۰، قیمت ۔/ ۲۸روپے۔

☆ معاون سکریٹری اور رکنِ ادارہ مولانا محمد جرجیس کریمی کی کتاب ’توحید اورقیام عدل‘ چند برس قبل مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز سے شائع ہوئی تھی۔مکتبہ سے اس کا ہندی ترجمہ بھی طبع ہوا تھا۔اب اس کا ترجمہ کنڑ زبان میں بھی شائع ہو گیا ہے۔

☆ مؤرخہ ۱۴۔ ۱۵/ستمبر ۲۰۱۸ء میں طلبہ تنظیم اسٹوڈنٹس اسلامک آرگنائزیشن آف انڈیا(S.I.O) کی جانب سے دینی مدارس کے طلبہ کے درمیان تجویز وقراءت،

تقریر اور کوئز کے مسابقات ادارۂ تحقیق کے کیمپس میں منعقد ہوئے۔ اس کے اختتامی اجلاس کی صدارت مولانا سید جلال الدین عمری نے کی اور اظہارِ خیال کیا۔ ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی بھی شریک اجلاس تھے۔

☆مؤرخہ ۱۶ر ستمبر ۲۰۱۸ء کو ادارہ کے کانفرنس ہال میں علی گڑھ میں موجود سہ ماہی تحقیقات اسلامی کے مقالہ نگاروں اور ادارہ کے بہی خواہوں کی ایک نشست، مولانا عمری کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ اس میں مسلم یونی ورسٹی کے تقریباً چالیس (۴۰) سینیر اساتذہ اور اصحابِ علم شریک ہوئے۔ انھوں نے مجلہ کے ضمن میں اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا۔ اس موقع پر سکریٹری ادارہ نے ادارہ کی سرگرمیوں کا مختصر تعارف کرایا۔ پروگرام کی نظامت مولانا جرجیس کریمی نے کی۔

☆انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکیٹو اسٹڈیز نئی دہلی میں امریکی دانش ور ڈاکٹر اسماعیل راجی الفاروقی کی تصنیف Cultural Atlas of Islam کی روشنی میں 'تہذیب اسلامی' کا ایک کورس تیار کرنے کے مقصد سے مؤرخہ ۳ر ستمبر ۲۰۱۸ء کو ایک ورک شاپ کا انعقاد کیا گیا، ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی نے اس میں شرکت کی اور کورس کے مشتملات، خاکہ اور دورانیہ کے تعلق سے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

☆۱۲۔ ۱۳ر اگست ۲۰۱۸ء کو دار العلوم دیوبند (وقف) میں 'مولانا محمد سالم قاسمی: حیات و خدمات' کے موضوع پر سمینار ہوا۔ اس میں رکنِ ادارہ مولانا کمال اختر قاسمی نے شرکت کی اور 'مولانا سالم قاسمی اور وحدتِ فکر و عمل' کے عنوان پر مقالہ پیش کیا۔

☆ادارۂ تحقیق کا دو سالہ تصنیفی تربیت کورس الحمد للہ کام یابی کے ساتھ چل رہا ہے۔ جناب سراج کریم سلفی کو، جنھوں نے اس سال تکمیل کر لی ہے، مزید ایک سال ادارہ میں رہ کر استفادہ کا موقع دیا گیا ہے۔ انٹرویو کے بعد ایک اور نوجوان، جناب عزیر احمد ندوی کو منتخب کیا گیا ہے۔

☆☆☆

فہرست مضامین سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ جلد ۳۷، ۲۰۱۸ء

مضامین	مضمون نگاران	شمارہ	صفحات
حرف آغاز			
ملک کے موجودہ حالات میں امت مسلمہ کے مسائل اوران کا حل	سید جلال الدین عمری	۱	۵ـ۱۲
مطالعۂ سیرت۔ قرآن مجید کی روشنی میں	سید جلال الدین عمری	۲	۱۳۳ـ۱۴۵
علماء امت۔ وارثین انبیاء	سید جلال الدین عمری	۳	۲۶۱ـ۲۶۷
فرداور جماعت کا تزکیہ ضروری ہے	سید جلال الدین عمری	۴	۳۸۹ـ۳۹۷
تحقیق وتنقید			
عقیدۂ اعجازِ قرآن کی تاریخ	پروفیسر ابوسفیان اصلاحی	۱	۱۳ـ۲۴
ایران میں عطّار شناسی	محترمہ لیلیٰ عبدی خجستہ	۱	۲۵ـ۴۸
کیا رسول اللہ ﷺ نے زکوٰۃ ادا کی؟	پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی	۲	۱۴۷ـ۱۶۸
ڈاکٹر حمید اللہؒ کی تصنیف 'الوثائق السیاسیۃ'۔ ایک مطالعہ	ڈاکٹر ظفر دارک قاسمی	۲	۱۶۹ـ۱۹۴
ذبیحہ سے متعلق اسلامی ہدایات	ڈاکٹر سید باچا آغا	۳	۲۶۹ـ۲۸۴
اسلام اور ماحولیات کا تحفظ (۱)	مولانا ولی اللہ مجید قاسمی	۳	۲۸۵ـ۳۰۴
اسلام اور ماحولیات کا تحفظ (۲)	مولانا ولی اللہ مجید قاسمی	۴	۴۲۳ـ۴۴۲
اسٹیفن ہاکنگ کے نظریات کا تنقیدی جائزہ	پروفسیر محمد رفعت	۴	۳۹۹ـ۴۲۲
بحث ونظر			
اسلامی ریاست میں نظم وضبط کا قیام	ڈاکٹر حافظ محمد منشا طیّب	۱	۴۹ـ۷۰
علت انقطاع اوراختلاف فقہاء پر اس کے اثرات	جناب یاسر فاروق	۲	۱۹۵ـ۲۱۴
مغربی فلسفہ وسائنس پر مولانا مودودیؒ کی تنقیدیں	ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحیؒ	۲	۲۱۵ـ۲۴۲
علوم اسلامیہ میں خواتین کی خدمات	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۳	۳۰۵ـ۳۲۷
مولانا مودودیؒ اور علوم کی اسلامی تدوین	جناب مجتبیٰ فاروق (ایم اے)	۳	۳۲۹ـ۳۵۴

عورت سے متعلق بعض احادیث کا مطالعہ	محترمہ سمیعہ نازش مترجم: مولانا محمد شعیب ندوی	۴	۴۴۳_۴۶۶
تجارتی اشیاء کی پبلسٹی۔ اسلام کا نقطۂ نظر	ڈاکٹر کمال اشرف قاسمی	۴	۴۶۷_۴۷۴
سیر و سوانح			
امام طبریؒ اور ان کی تفسیر جامع البیان	ڈاکٹر احسان اللہ فہد	۱	۷۱_۸۵
شیخ محمد علی صابونیؒ اور ان کی تفسیر صفوۃ التفاسیر	جناب نور ولی شاہ	۳	۳۵۵_۳۶۸
حضرت شقیق بلخیؒ اور ان کی تعلیمات	ڈاکٹر محمد مشتاق تجاروی	۴	۴۷۵_۴۹۲
ترجمہ و تلخیص			
مصادرِ سیرت پر ایک نظر	ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری مترجم: ڈاکٹر محمد صلاح الدین عمری	۱	۸۷_۱۱۲
تعارف و تبصرہ			
اسماء حسنیٰ	جناب محمد تحسین زماں	۱	۱۱۳_۱۱۴
سفرِ جمال	جناب محمد عبد الحی	۱	۱۱۵_۱۱۶
ڈاکٹر محمود احمد غازی	جناب مجتبیٰ فاروق	۱	۱۱۶_۱۱۸
فقہی مقالات	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۲	۲۴۳_۲۴۴
نوادرات شبلی	جناب نوشاد منظر	۲	۲۴۴_۲۴۶
آسان ترجمہ و تفسیر قرآن مجید	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۳	۳۶۹_۳۷۰
حدیث نبویؐ اور سائنسی علوم	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۳	۳۷۰_۳۷۲
اسلامی منہاجیات: ادب تعبیر، تحقیق	جناب نوشاد منظر	۳	۳۷۲_۳۷۴
اوراق سیرت	پروفیسر مسعود الحسن	۴	۴۹۳_۴۹۸
خبر نامہ ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی (۶۶)	ادارہ	۱	۱۱۹_۱۲۰
" " " (۶۷)	"	۲	۲۴۷_۲۴۸
" " " (۶۸)	"	۳	۳۷۶_x
" " (۶۹)	"	۴	۴۹۹_۵۰۰

فہرست مضمون نگاران سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ جلد ۳۷، ۲۰۱۸ء

مضمون نگاران	مضامین	شمارہ	صفحات
اصلاحی، ابوسفیان، پروفیسر	عقیدۂ اعجازِ قرآن کی تاریخ	۱	۱۳_۲۴
باچا آغا، سید، ڈاکٹر	ذبیحہ سے متعلق اسلامی ہدایات	۳	۲۶۹_۲۸۴
تجاروی، محمد مشتاق، ڈاکٹر	حضرت شقیق بلخیؒ اور ان کی تعلیمات	۴	۴۷۵_۴۹۲
خجستہ، لیلیٰ عبدی، محترمہ	ایران میں عطّارشناسی	۱	۲۵_۴۸
زماں، محمد تحسین، جناب	اسماءِ حسنیٰ (تبصرہ)	۱	۱۱۳_۱۱۴
سمیعہ نازش، محترمہ	عورت سے متعلق بعض احادیث کا مطالعہ	۴	۴۴۳_۴۶۶
شاہ، نورولی، جناب	شیخ محمد علی صابونیؒ اور ان کی تفسیر صفوۃ التفاسیر	۳	۳۵۵_۳۶۸
صدیقی، محمد یٰسین مظہر، پروفیسر	کیا رسول اللہ ﷺ نے زکوٰۃ ادا کی؟	۲	۱۴۷_۱۶۸
طیّب، محمد منشا، ڈاکٹر حافظ	اسلامی ریاست میں نظم وضبط کا قیام	۱	۴۹_۷۰
عبدالحی، محمد، جناب	سفرِ جمال (تبصرہ)	۱	۱۱۵_۱۱۶
العمری، اکرم ضیاء، ڈاکٹر	مصادرِ سیرت پر ایک نظر	۱	۸۷_۱۱۲
عمری، سید جلال الدین	علماء امت۔ وارثین انبیاء	۳	۲۶۱_۲۶۷
" "	فرد اور جماعت کا تزکیہ ضروری ہے	۴	۳۸۹_۳۹۶
" "	مطالعۂ سیرت۔ قرآن مجید کی روشنی میں	۲	۱۳۳_۱۴۵
" "	ملک کے موجودہ حالات میں امت مسلمہ کے مسائل اور ان کا حل	۱	۵_۱۲
عمری، محمد صلاح الدین، ڈاکٹر (مترجم)	مصادرِ سیرت پر ایک نظر	۱	۸۷_۱۱۲
فلاحی، عبیداللہ فہد، ڈاکٹر	مغربی فلسفہ وسائنس پر مولانا مودودیؒ کی تنقیدیں	۲	۲۱۵_۲۴۲
فہد، احسان اللہ، ڈاکٹر	امام طبریؒ اور ان کی تفسیر جامع البیان	۱	۷۱_۸۵

قاسمی، ظفر دارک، ڈاکٹر	ڈاکٹر حمید اللہؒ کی تصنیف 'الوثائق السیاسیۃ'	۲	۱۶۹۔۱۹۴
قاسمی، کمال اشرف، ڈاکٹر	تجارتی اشیاء کی پبلسٹی۔ اسلام کا نقطۂ نظر	۴	۴۶۷۔۴۷۴
قاسمی، ولی اللہ مجید، مولانا	اسلام اور ماحولیات کا تحفظ (۱)	۳	۲۸۵۔۳۰۴
" "	" " (۲)	۴	۴۲۳۔۴۴۲
مجتبیٰ فاروق (ایم اے)، جناب	ڈاکٹر محمود احمد غازی (تبصرہ)	۱	۱۱۶۔۱۱۸
" "	مولانا مودودیؒ اور علوم کی اسلامی تدوین	۳	۲۹۔۳۵۴
محمد رفعت، پروفیسر	اسٹیفن ہاکنگ کے نظریات کا تنقیدی جائزہ	۴	۳۹۹۔۴۲۲
مسعود الحسن، پروفیسر	اوراق سیرت (تبصرہ)	۴	۴۹۳۔۴۹۸
ندوی، محمد رضی الاسلام، ڈاکٹر	آسان ترجمہ وتفسیر قرآن مجید (تبصرہ)	۳	۳۶۹۔۳۷۰
" "	حدیث نبویؐ اور سائنسی علوم (تبصرہ)	۳	۳۷۰۔۳۷۲
" "	فقہی مقالات (تبصرہ)	۲	۲۴۳۔۲۴۴
" "	علوم اسلامیہ میں خواتین کی خدمات	۳	۳۰۵۔۳۲۷
ندوی، محمد شعیب، مولانا (مترجم)	عورت سے متعلق بعض احادیث کا مطالعہ	۴	۴۴۳۔۴۶۶
نوشاد منظر، جناب	نوادراتِ شبلی (تبصرہ)	۲	۲۴۴۔۲۴۶
" "	اسلامی منہاجیات: ادب تعبیر، تحقیق (تبصرہ)	۳	۷۲۔۳۷۴
یاسر فاروق، جناب	علت انقطاع اور اختلاف فقہاء پر اس کے اثرات	۲	۱۹۵۔۲۱۴

پاکستان میں

سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی کے لیے رابطہ کریں:

جناب سجاد الٰہی صاحب، 27-A، لوہا مارکیٹ، مال گودام روڈ، بادامی باغ، لاہور

Tel: 0300-4682752, (R)5863609, (0)7280916

Email: abdulhadi_133@yahoo.com

ISSN:2321-8339

Organ of Idara-e-Tahqeeq-o-Tasneef-e-Islami

Quarterly

TAHQEEQAT-E-ISLAMI
ALIGARH

Vol. 37 No.4

October - December 2018

Editor

Syed Jalaluddin Omari

Asstt. Editor

Muhammad Raziul Islam Nadvi

Nabi Nagar (Jamalpur), P.O. Box: 93
ALIGARH - 202 002 (INDIA)
www.tahqeeqat.net Email: tahqeeqat@gmail.com

CONTENTS

1. **Purification of Individual and Organisation is Essential**

Syed Jalaluddin Omari 5

2. **A critical appraisal of Stephen Hawking's ideas** 15

Professor Muhammad Rafat

3. **Islam and Protection of Environment-II** 39

Maulana Waliullah Majeed Qasmi

4. **A Study of Certain Ahadith Related to Woman** 59

Mrs. Samia Nazish

Tr. Maulana Muhammad Shuaib Nadwi

5. **Islamic Viewpoint on Advertisement of Businesses** 83

Dr. Kamal Ashraf Qasmi

6. **Hazrat Shaqiq Balkhi and his teachings** 91

Dr. Muhammad Mushtak Tijarwi

7. **Book Reviews** 109

Activities of Idara-e- Tahqee-o-Tasneef-e-Islami 115

List of Articles and writers of Tahqeeqat-e-Islami2018 117-120

Abstract of the Articles

Purification of Individual and Organisation is Essential

Maulana Syed Jalaluddin Omari

President Idara -e-Tahqeeq-o- Tasneef-e- Islami

& Amir Jamaat-e-Islami Hind

In the beginning of the current term(April 2015-March2019) Markaz Jamaat-e-Islami Hind decided to hold *Tarbiyatgahs* (training camps) in which selected members from the various states would be called for their academic, *ideological* and spiritual tarbiyah for a week. The sixth *Tarbiyatgah* was held from 3 to 9 September 2018. The speeches Maulana Syed Jalaluddin Omari addressed in the Introductory and Concluding sessions of the camp are being presented here in the form of an article.

The Maulana said that it is easy to make efforts for the reform and training of others but it is indeed difficult to do our own reform while the Qur'an and hadith have laid much emphasis thereon. There is very limited concept of *Tazkiyah* in certain circles. They concentrate only on obligatory and optional prayers and on some daily round of practice or recital incantation while *Tazkiyah* means a complete change of life and one's total surrender to the commandments of Allah and His Messenger (peace and blessings of Allah be to him).

Evolution of individuals is the foundation stone of *Tazkiyah*. Unless the evolution of individuals is effected, social change is impossible. This is why the Qur'an basically addresses individuals and promises power to an organisation consisting of morally good persons.

Our ideological evolution is also essential. We should make a deep study of other views and ideologies and analyse them in the light of Islam.

A critical appraisal of Stephen Hawking's ideas

Professor Muhammad Rafat

Professor, Department of Applied Sciences and Humanities,

Faculty of Engg. & Tech.

Jamia Millia Islamia, New Delhi

mohd.rafat@gmail.com

The British physicist Stephen Hawking (1942-2018) was well known throughout the world. He was associated with Cambridge university.Inspite of severe physical disability, he performed outstanding scientific work. He is certainly an example of sustained effort and strong will power. His book "A brief history of time" (1988) was a best seller. Besides scientific topics, he also wrote about God and nature of universe. Importance of Hawking's scientific contribution can be understood in the background of 20th century physics. In particular, quantum ideas played a critical role in his investigations.

Hawking worked on black holes. He predicted the famous Hawking radiation. This new idea changed the

popular picture of black hole and made the topic more interesting. Inspite of novelty, the compelling logic led to wide acceptance of Hawking's idea.

Hawking was aware of the grand design in the universe. He wrote a book describing this marvellous grand design. He reached close to the truth and realized the illogical nature of atheist position. Even then, he continued to tilt towards atheism. His book "The grand design" amply demonstrates that the Almighty Creator indeed exists. The apology presented by Hawking, in support of atheist position, does not carry any weight. Any impartial student of grand design in the universe,will acknowledge the existence of God.

Islam and Protection of Environment-II

Maulana Waliullah Majeed Qasmi
Shaikh al-Hadith, Jamiatul Falah,
Bilariyaganj, Azamgadh, U.P.
wmqasmi@gmail.com

The first part of this article was published in the July-September 2018 issue of Tahqeeqat-e-Islami. In that part some other aspects of the subject, Islam and Protection of Environment were highlighted. This part says that the Qur'an and Hadith command us to protect the earth and prohibit us from spreading dirt and filth therein. To remove filth and everything that can hurt people has been enjoined. Likewise, plantation has been commanded and cutting trees without any particular need has been prohibited. Allah has created even animals and beasts for the benefit of mankind. Therefore it has

been prohibited to kill non-beastly animals without any need. At the end, the article says that sound pollution affects the physical and mental health of people; therefore Islam prohibits us from such acts as can create din and bustle, produce harsh sound and thereby hurt people.

A Study of Certain Ahadith Related to Woman

Mrs. Samia Nazish
Dept. of Arabic and Islamic Studies,
Allama Iqbal Open University, Islamabad.
Tr. Maulana Muhammad Shuaib Nadvi
Ajmal khan Tibbiya College AMU, Aligarh
mdsbuaib@gmail.com

In some ahadith there are apparently certain negative utterances about women. For example, a woman is a source of misfortune; a woman's passing by a worshipper vitiates his Salat; there is crookedness in a woman; the existence of women is a source of mischief for men; mostly women will go to the hell; women lack in wisdom and religiosity; the rule of a woman is the source of destruction, etc. This article argues that there is importance of context in determining the meaning of a passage. Considering a passage out of context may lead to wrong interpretation. Then it analyses each hadith in this regard to highlight that there is no negative approach about women if it is studied in proper context, rather it will illustrate the correct position.

In fact this article was written in the Arabic language and was published in the Arabic quarterly Al- Dirasat Al-Islamiya, Islamabad in its October-December 2016 issue. This article presents its translation with precision.

Islamic Viewpoint on Advertisement of Businesses

Dr. Kamal Ashraf Qasmi
Asst. Professor and former Head, Dept. of Theology
Alia University, Kolkata (West Bengal)
kamalashraf98@yahoo.com

Doing business to earn livelihood has been enjoined. Man wants his business to flourish and his product(s) to be sold more and more. For this he takes the help of advertisement.

Generally such ways and means are adopted for advertisement as may introduce the products at mass level in a very short time. For this, newspapers, magazines, print and electronic media are used. To adopt different ways and means for advertisement of products and services is permissible from Shari'ah point of view; but the conditions therefor are that the products must be *halal* (permissible) and the time for business transaction as well as the merits and demerits of the products ought to be declared. While advertising Shari'ah rulings related to pictures must be followed in letter and spirit. Lies, fraud, deception and exaggeration ought to be avoided. Following all these conditions, every kind of advertisement can be adopted.

Hazrat Shaqiq Balkhi and his teachings

Dr. Muhammad Mushtak Tijarwi
Asst. Professor, Dept. of Islamic studies
Jamia Millia Islamia, New Delhi
muftimushtak@gmail.com

Hazrat Shaqiq Balkhi (194H/810AD) was among the

great Sufis of the early Islamic period. He was, at the beginning, a fairly rich and successful tradesman. During his one trade journey he was influenced by some specific incident and his life was changed and he gave up all the worldly affairs and took the path of *Zahid* (renunciation). He became disciple of Ibraheem Adham and had also been in touch with some other Sufis of the time. The writers on *Tasawwuf,* compiled his words. Most of his sayings were about *Tawakkul* (Contentment), *Zuhd* (renunciation), concern of the life hereafter, negligence of the world, and so on and so forth. His *Tawakkul* (Contentment) was not ideological only but it was a practical one and was based on a balanced pattern. He has very minutely elaborated the characteristics of *Tasawwuf* and played a vital role in formulating the peculiar ideologies of *Tasawwuf* which was propagated by his disciples like Hatim Asamm.

This paper has precisely recorded the brief sketch of the life of Shaqiq Balkhi, his spiritual masters, his contemporaries and his disciples. Similarly, it mentions some of his sayings and the *Tasawwuf* ideologies he opted for.

BOOK REVIEW

A wraq-e-seerat (Essays on prophet Muhammad (SWA) Life and Teachings) Maulana Syed Jalaluddin Omari, MMI Publishers New Delhi-25, 2017,Pages: 384; Price: IRs. 250/-

Reviewed by Professor Masood-ul-Hasan

ہماری نئی مطبوعات

سبیلِ رب — دعوت الیٰ اللہ کا راستہ	مولانا سید جلال الدین عمری	45.00
انابت الیٰ اللہ [خطبۂ عید الفطر]	مولانا سید جلال الدین عمری	25.00
امت مسلمہ سے خطاب [خطبۂ عید الاضحیٰ]	مولانا سید جلال الدین عمری	16.00
عائلی زندگی کے اسلامی اصول [اخلاقی اور قانونی پہلو]	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	30.00
زکاۃ: احکام و مسائل	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	20.00
اسلامی علوم میں خواتین کی خدمات	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	24.00
پیغام حق کی ترسیل [اہمیت اور لائحۂ عمل]	محمد اقبال مُلّا	20.00
دعوتِ دین اور اسلام کی امتیازی خصوصیات	محمد اقبال مُلّا	28.00
چین اور جاپان کے مذاہب	حافظ محمد شارق	16.00
زرتشتیت — ایک تعارف	حافظ محمد شارق	16.00
ہندومت — ایک تعارف	حافظ محمد شارق	28.00
روداد اجتماع حیدرآباد جماعت اسلامی ہند [۱۹۵۲]	شعبۂ تنظیم	120.00
روداد اجتماع عام دہلی [۱۹۷۴]	شعبۂ تنظیم	175.00
روداد اجتماع دہلی جماعت اسلامی ہند [۱۹۶۰]	شعبۂ تنظیم	165.00
تکریم انسانیت اور اسلام	ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی	150.00
چالیس احادیث [بچوں کے لیے]	مولانا انعام اللہ فلاحی	26.00
ہندو محققین کا مطالعۂ قرآن و سیرت	ڈاکٹر ضیاء الدین فلاحی	115.00
خلافت و ملوکیت اور علمائے اہل سنت	ابوخالد	95.00

MMI PUBLISHERS مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی ۲۵

D-307,Dawat Nagar,Abul Fazl Enclave,Jamia Nagar,New Delhi-110025
Phone: 26981652,26984347 Mob: 7290092401
E-mail: info@mmipublishers.net,mmipublishers@gmail.com **Website:** www.mmipublishers.net

R.No. 38933/81

Quarterly
Tahqeeqat-e-Islami
Aligarh

Mob. +91-8881854504
+91-9897746586

October 2018
December 2018

مولانا سید جلال الدین عمری کی تالیفات

شمار	نام کتاب	قیمت	شمار	نام کتاب	قیمت
۱	تجلیاتِ قرآن	/۳۲۵	۲۲	اوراقِ سیرت	/۲۵۰
۲	اسلام-انسانی حقوق کا پاسبان	/۹۰	۲۳	خطبات پاکستان	/۱۰۰
۳	غیر اسلامی ریاست اور مسلمان	/۲۵	۲۴	عصر حاضر میں اسلام کے علمی تقاضے	/۵۲
۴	کم زور اور مظلوم اسلام کے سایہ میں	/۵۰	۲۵	انسان اور اس کے مسائل	/۴۰
۵	صحت ومرض اور اسلامی تعلیمات	/۲۵۰	۲۶	اسلام اور مشکلات حیات	/۴۵
۶	خدا اور رسول کا تصور-اسلامی تعلیمات میں	/۱۴۰	۲۷	خدا کی غلامی-انسان کی معراج	/۱۴
۷	معروف ومنکر	/۱۸۵	۲۸	اسلام اور وحدت بنی آدم	/۱۶
۸	اسلام کی دعوت	/۲۲۵	۲۹	اسلام میں خدمت خلق کا تصور	/۱۱۰
۹	غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق	/۱۸۵	۳۰	انفاق فی سبیل اللہ	/۴۵
۱۰	تحقیقات اسلامی کے فقہی مباحث	/۱۰۰	۳۱	دولت میں خدا اور بندوں کا حق	/۱۶
۱۱	تہذیب وسیاست کی اسلامی قدریں	/۶۵	۳۲	انسانوں کی خدمت-اسلام کی نظر میں	/۱۶
۱۲	عورت-اسلامی معاشرے میں	/۲۶۰	۳۳	جماعت اسلامی ہند-پس منظر، خدمات اور طریقۂ کار	/۴۳
۱۳	مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ (مجلد)	/۱۳۰	۳۴	ہم تحریک اسلامی کے کارکن کیسے بنیں؟	/۱۸
۱۴	عورت اور اسلام	• مجلد /۱۱۰ • عام /۶۰	۳۵	ملک وملت کے نازک مسائل اور ہماری ذمہ داریاں	/۳۲
۱۵	اسلام کا عائلی نظام	/۱۰۵	۳۶	یہ ملک کدھر جا رہا ہے؟	/۳۵
۱۶	مسلمان خواتین کی ذمہ داریاں	/۴۲	۳۷	بچے اور اسلام	/۱۴
۱۷	قرآن کا نظام خاندان	/۲۴	۳۸	خاندان کی اصلاح اور اولاد کی تربیت	/۲۰
۱۸	اسلام-ایک دینِ دعوت	/۲۵	۳۹	فقہی اختلافات کی حقیقت	/۲۵
۱۹	دعوت وتربیت-اسلام کا نقطۂ نظر	/۵۵	۴۰	بعض اہم اسلامی اصطلاحات کی تشریح	/۱۸
۲۰	راہیں کھلتی ہیں	• مجلد /۱۴۰ • عام /۹۵	۴۱	سوئے حرم چلا	/۳۲
۲۱	سبیل رب۔دعوت الی اللہ کا راستہ	/۴۵	۴۲	دینی علوم کی تدریس	/۱۴

ملنے کے پتے:
۱- ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، نبی نگر، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳، علی گڑھ۔ ۲
۲- مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، ڈی-۳۰۷، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی۔ ۲۵